ے چد

منبر کی صدا

(جلد سوم.3)

حافظ محمد ابراہیم عمری

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

جامعہ دارالسلام عمرآباد:635808

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب	:	منبر کی صدا (3)
مؤلف	:	حافظ محمد ابراہیم عمری
سنہ اشاعت	:	مئی 2015ء
صفحات	:	168
قیمت	:	80/روپے
ناشر	:	ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

جامعہ دارالسلام

عمرآباد-635808

ٹمل ناڈو

فون:04174-255693

E-mail : jamiadarussalam@gmail.com

فہرستِ مضامین

شمارہ نمبر	عناوین	صفحات

پیش لفظ

برادر عزیز القدر مولانا حافظ محمد ابراہیم عمری سلمہ عرصے سے مسجد عمر آباد میں جمعہ کے خطبے دے رہے ہیں۔آپ کے خطبات ہوں یا تحریریں اس اعتبار سے قابلِ تحسین ہوتے ہیں کہ وہ نہایت پر مغز اور مدلل ہوتے ہیں۔کسی بھی موضوع پر آپ اظہارِ خیال کریں پورے ثبوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور حوالے بھی ضرور دیتے ہیں۔ان میں یہ خوبی بھی قابلِ ذکر ہوتی ہے کہ زبان آسان اور اندازِ بیان عام فہم ہوتا ہے۔اس طرح سامعین آپ کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سنتے اور سمجھتے بھی ہیں۔چوں کہ آپ کی پیش کردہ باتوں کا تعلق کتاب وسنت کے پختہ حوالوں سے ہوتا ہے،اس لیے سننے اور پڑھنے والوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتیں۔

''منبر کی صدا'' کے عنوان سے آپ کے گراں قدر خطبوں کے دو مجموعے کتابی شکل میں جامعہ کے ''ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی'' کی طرف سے شائع ہو کر کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں اور اب یہ تیسرا مجموعہ جو بیس عدد خطبات پر مشتمل ہے،شائع ہو رہا ہے۔اللہ کرے اسے بھی پچھلے مجموعوں کی طرح مقبولیت حاصل ہو۔اس مجموعے میں شامل سبھی مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور مسلم معاشرے کے لیے ان سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔یہ ان ہی خطبات کا مجموعہ ہے جو مسجد عمر آباد کے منبر پر مختلف مواقع پر دیے جا چکے ہیں اور ان میں سے بعض ماہ نامہ ''راہِ اعتدال'' میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ان تمام خطبوں کا تعلق اسلامی معاشرے کے ضروری آداب اور احکام ومسائل سے ہے۔یہ ہر مسلم گھرانے کی ضرورت ہے۔یہ خطبات صرف قارئین کے لیے ہی نہیں بلکہ بہت ساری مساجد کے خُطبا کے لیے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ان کے ذریعے صحیح اور معتبر دینی معلومات اور اسلام کی معاشرتی تعلیمات گھر گھر پہنچیں گی۔

اس کتاب کی پر مؤلف کے ساتھ ذمہ دارانِ جامعہ بھی یقیناً شکریے کے مستحق ہیں،جنھوں نے وقت کی ایک اہم ضرورت پر اپنی گراں قدر توجہ مبذول کر کے ملت پر بڑا احسان کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی ان بہترین کوششوں کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور عزیز القدر صاحبِ کتاب کے علم واقبال میں برکت اور ترقی عطا کرے۔آمین

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی عمری

عرضِ مؤلف

بفضلہٖ تعالیٰ ''منبر کی صدا'' کا تیسرا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے دلی مسرت محسوس کر رہا ہوں، کہ رب العالمین نے مجھ کم مایہ کو اس کی توفیق بخشی، ورنہ یہ میرے بس کی بات نہیں تھی۔

اس مجموعے میں کل بیس مضامین شامل ہیں، جن کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔ حسبِ توفیق ان خطبات میں بھی صحیح احادیث اور مستند واقعات کے التزام کی کوشش کی گئی ہے اور ضعیف وموضوع روایات سے اجتناب کیا گیا ہے۔ خطباتِ جمعہ اصلاحِ معاشرے کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ بیس پچیس منٹ کا وقت اگر چہ مختصر ہوتا ہے، مگر یہ امت کی اعتقادی، عملی اور معاشرتی اصلاح کے لیے بڑا قیمتی ہوتا ہے، بشرطے کہ خطیب معاشرے کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب وسنت کی روشنی میں اس کی اصلاح کی منصوبہ بند کوشش کرے۔

مجھے اپنی کم مائیگی اور زبان وقلم کے معاملے میں ناپختگی کا پورا احساس ہے۔ قارئین اگر کہیں کوئی خلافِ شرع بات دیکھیں تو نشان دہی فرمائیں، تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

اس موقع پر میں ذمہ دارانِ جامعہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کی راہ نمائی اور ہمت افزائی نے مجھے مسجدِ عمر آباد کے منبر سے وابستہ کیا اور تحریری میدان میں کچھ طبع آزمائی کا موقع دیا۔

مدیر ماہ نامہ راہِ اعتدال مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی عمری مدظلہ کا احسان مند ہوں جن کی شفقتیں اور کرم فرمائیاں مجھے ہمیشہ حاصل رہی ہیں، اور اس کتاب کا مختصر اور مفید مقدمہ انہی محبتوں کا مظہر ہے۔ اور رفیق محترم مولوی محمد رفیع کلوری عمری زید مجدہ کا بھی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے مضامین پر نظر ثانی اور پروف ریڈنگ میں میرا بھرپور تعاون کیا۔ ساتھ ہی تمام مشفق اساتذہ اور معاونین کا بھی ممنون ہوں جن کی دعائیں، نیک تمنائیں اور مخلصانہ تعاون میری ترقی کا ضامن ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام محسنین کو دونوں جہاں میں سُرخ رو فرمائے اور مجھے دین وملت کی سچی خدمت کے لیے مزید ہمت، طاقت اور توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

حافظ محمد ابراہیم عمری

اللہ کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اللہ کے کچھ بندے اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں مگر اکثر شکایت ہوتی ہے کہ عبادتوں میں دل نہیں لگتا ۔نیکیوں میں آگے بڑھنے کا وہ شوق پیدا نہیں ہوتا جو اسلاف کی زندگیوں میں ہمیں نظر آتا ہے؟ اس کی ایک بڑی وجہ اللہ کی عظمت وجلالت سے،اس کی ذات وصفات سے اوراس کی قدرت سے ناواقفیت ہے۔اگر ہمیں اللہ کی عظمت وجلالت کا،اس کی ذات وصفات کا اوراس کی قدرت کا صحیح علم ہو جائے تو ہمارے دلوں میں بھی عبادت کا وہی شوق اورنیکیوں میں آگے بڑھنے کا وہی جذبہ پیدا ہوگا جو اسلاف کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ کی عظمت کو جانیں اوراس کی قدرت کو پہچانیں

۔

اللہ کی عظمت کو جاننے کی فکراورکوشش انبیاے کرامؑ بھی کیا کرتے تھے۔حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی عظمت وجلال کو جاننے ہی کے لیے سوال کیا:''اے میرے رب ! مجھے دکھلا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے ؟اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے ابراہیم ! کیا تجھے میری قدرت پر یقین نہیں؟ابراہیمؑ نے جواب دیا:''کیوں نہیں ! میرا یہ سوال مزید اطمینانِ قلب کے لیے ہے''۔اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے فرمایا: چار پرندوں کو لو،ان کوٹکڑے ٹکڑے کردو،اور پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو۔ پھرانھیں پکارو،وہ تمھارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے''۔(البقرۃ:261)

حضرت موسیٰؑ کوتوریت عطا کرنے کے لیے جب اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر بلایا تو موسیٰؑ نے فرطِ مسرت سے سوال کیا:اے میرے رب !اپنا دیدار مجھ کو کرادیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے ،لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو،وہ اگر اپنی جگہ پر برقراررہا تو ممکن ہے تم مجھے دیکھ سکو۔جب اس پہاڑ پراللہ نے تجلّی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اورموسیٰ

بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ ہوش آیا تو اللہ کی عظمت اور جلال کا احساس ہوا۔فوراً کہنے لگے: سُبۡحَانَكَ تُبۡتُ إِلَيۡكَ وَأَنَا أَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡن۔''اے رب! آپ کی ذات پاک ہے، میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا ہوں''۔(الأعراف:143)

اللہ بہت ہی عظیم ہے۔ انسان اپنی ناقص عقل ،اور ناقص علم وتجربے کی وجہ سے اس کی عظمت کا صحیح ادراک نہیں کرسکتا۔ اللہ کی عظمت کو جاننے کے لیے اس کی مخلوقات میں غوروفکر کرنا چاہیے۔رسول اکرمﷺ کا ارشاد ہے: تَفَكَّرُوۡا فِيۡ آلَاءِ اللّٰهِ وَلَاتَفَكَّرُوۡا فِي اللّٰهِ۔**(الجامع الصغیر وزیادتہ:2975)''اللہ کی نشانیوں میں اور اس کی مخلوقات میں غوروفکر کرو، اللہ کی ذات میں غوروفکر مت کرو''۔**

حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں: عِبَادَةُ اللّٰهِ لَيۡسَ بِالصَّوۡمِ وَالصَّلَاةِ وَلٰكِنۡ بِالتَّفَكُّرِ فِيۡ دِيۡنِهٖ وَالتَّفَكُّرِ فِيۡ أَمۡرِهٖ ۔**(فوائد الفوائد)''نماز اور روزہ ہی عبادت نہیں ہیں، بلکہ اس کے دین میں اور اس کی مخلوقات میں غوروفکر کرنا بھی عبادت ہے''۔**

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس کی مخلوقات میں غوروفکر کرنے پر ابھارا ہے۔اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے : إِنَّ فِيۡ خَلۡقِ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ اللَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِيۡ الۡأَلۡبَابِ۔ الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوۡداً وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِيۡ خَلۡقِ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذا بَاطِلاً سُبۡحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار۔**(آل عمران:191-190)''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غوروفکر کرتے ہیں ،اور کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے یہ بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔تو پاک ہے۔پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے''۔**

اللہ کی بے شمار مخلوقات میں سب سے عظیم مخلوق اللہ کا عرش ہے۔اللہ نے خود عرش کو عظیم قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِن تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِيَ اللّٰهُ لا إِلَـهَ إِلَّا هُوَ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۔(التوبۃ:129)''پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے''۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا:اے اللہ کے رسول ﷺ!بتائیے کہ قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آیۃ الکرسی۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا:مَاالسَّمٰوَاتِ السَّبۡعِ فِی الۡکُرۡسِیِّ اِلَّا کَحَلۡقَةٍ مُلۡقَاةٍ فِیۡ أَرۡضٍ فَلَاةٍ وَفَضۡلِ الۡعَرۡشِ عَلَی الۡکُرۡسِیِّ کَفَضۡلِ الۡفَلَاةِ عَلٰی تِلۡكَ الۡحَلۡقَةِ۔(السلسلۃ الصحیحۃ:109)''ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں اس گیند کی مانند ہیں جو ایک بڑے چٹیل میدان میں ڈال دیا گیا ہو اور عرش کو کرسی کے مقابلے میں وہی حیثیت حاصل ہے جو چٹیل میدان کو اس معمولی گیند پر حاصل ہے''۔

اللہ کی کرسی اور اس کا عرش جب اس قدر عظیم ہیں تو اللہ کی ذات کس قدر عظیم ہوگی اور اس کی عظمت کا کیا حال ہوگا!!!

فرشتے اللہ کی ایک بڑی مخلوق ہیں۔ہم ان کی طاقت اور قوت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ حضرت جبرئیلؑ فرشتوں کے سردار ہیں،جن کے چھ سو پَر ہیں۔(صحیح ابن حبان)

حضرت اسرافیلؑ کی ایک صور پر ساری دنیا تباہ ہو جائے گی۔اللہ کے عرشِ عظیم کو صرف آٹھ فرشتے تھامے ہوئے ہیں اور جہنم پر نگرانی کے لیے انیس فرشتے مقرر ہیں۔

فرشتے اس قدر طاقت ور ہونے کے باوجود اللہ کی عظمت کے آگے ہمیشہ سرِ تسلیم خم کیے ہوئے رہتے ہیں۔قرآن مجید میں ان کی یہ صفت بیان کی گئی: يُسَبِّحُوۡنَ لَهٗ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَهُمۡ لَا يَسۡـَٔمُوۡنَ ۔(حم السجدۃ:38)''وہ رات دن اس کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور وہ کسی بھی وقت اکتاتے نہیں''۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا أَنۡ تَئِطَّ ،مَا فِيۡهَا مَوۡضِعُ أَرۡبَعِ أَصَابِعَ اِلَّاوَعَلَيۡهِ مَلَكٌ وَاضِعٌ جَبۡهَتَهٗ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ:1722)''آسمان چر چرا رہا ہے۔اس کو

چر چرانے کا حق ہے۔آسمان میں کوئی چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہوکر عبادت میں مصروف نہ ہو‘‘۔

حضرت جبرئیلؑ کے بارے میں اللہ کے رسولﷺ فرماتے ہیں:مَـرَرُتُ لَیُلَةَ أُسُـرِیَ بِـیُ بِـالُـمَلَأِ الُأَعُـلٰـی وَجَبُـرِیُـلُ کَالُحِلُسِ الُبَالِیُ یَعُنِیُ کَالُقُمَاشِ الُقَدِیُمِ الذَّائِبِ مِنُ خَشُیَةِ اللّٰهِ تَـعَـالیٰ ۔(صحیح الجامع الصغیر:5864)’’معراج کی رات میرا گزر ملأ اعلیٰ پر سے ہوا۔حضرت جبریلؑ کو میں نے دیکھا کہ وہ خشیتِ الٰہی کی وجہ سے پرانے بوسیدہ کپڑے کی مانند ہو چکے ہیں‘‘۔

جنات اللہ کی طاقت ور مخلوق ہیں۔ وہ آسمان پر جا کر ملأ اعلی کی باتیں سنا کرتے تھے اور ایک میں سو ملا کر کاہنوں اور جادوگروں کو بتاتے تھے۔جب آپﷺ کی بعثت ہوی تو آسمان پر پہرہ لگادیا گیا۔وہ اپنی طاقت وقوت اور صلاحیت کے باوجود آسمان پر جا کر ملأ اعلی کی باتیں سن نہ سکے۔اللہ کی قدرت اور عظمت کا اعتراف کرتے ہوے کہتے ہیں:وَأَنَّـا ظَـنَـنَّـا أَن لَّن نُّعجِزَ اللَّهَ فِیُ الُأَرُضِ وَلَن نُّعُجِزَهُ هَرَباً ۔(الجن:12)’’اور ہمیں یقین ہو گیا کہ اب ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں‘‘۔

آسمان،زمین،سورج اور چاند وغیرہ اللہ کی بڑی بڑی مخلوقات ہیں،مگر اللہ کی عظمت کے سامنے ان کی کوئی حقیقت نہیں ۔صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ایک یہودی عالم نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:’’اے محمدﷺ!ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ایک انگلی پر،ساتوں زمینوں کو ایک انگلی پر،درختوں کو ایک انگلی پر،پانی اور تر چیزوں کو ایک انگلی پر اور بقیہ تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور فرمائے گا:میں ہوں بادشاہ‘‘۔ یہ سن کر آپﷺ مسکرا دیے اور اس بات کی تصدیق میں یہ آیت تلاوت فرمائی:وَمَـا قَـدَرُوا اللّٰـهَ حَقَّ قَدُرِهِ وَالُأَرُضُ جَمِیُعاً قَبُضَتُهُ یَوُمَ الُقِیَامَةِ وَالسَّماوَاتُ مَطُوِیَّاتٌ بِیَمِیُنِهِ سُبُحَانَهُ وَتَعَالَی عَمَّا یُشُـرِکُون ۔(الزمر:67)’’اوران لوگوں نے جیسی قدر اللہ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی۔ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوے ہوں گے۔وہ

پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بناتے ہیں''۔(بخاری:تفسیر سورۂ زمر)

اللہ کی عظمت اور دیگر مخلوقات کی عاجزی اور بے بسی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ اس نے معبودانِ باطلہ کے پجاریوں کو خطاب کر کے فرمایا: إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَاباً وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهُ ۔(الحج:73)''اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، اگر چہ کہ سب آپس میں جمع کیوں نہ ہو جائیں''۔

اللہ کی عظمت کو جاننے کا ایک ذریعہ اس کے اسماء اور صفات ہیں۔اللہ کے بے شمار نام ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنىٰ فَادْعُوْهُ بِهَا ۔(الأعراف:80)''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں، سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کرو''۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًامِائَةً اِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔(بخاری:باب إن لله مائة اسم إلا واحدا :7392)''اللہ تعالیٰ کے 99 رنام ایسے ہیں، جو شخص ان کو شمار کرے گا جنت میں داخل ہوگا''۔

اللہ کے ان اسماء اور صفات کا علم اللہ کی عظمت کو پہچاننے کا ایک ذریعہ ہے۔مثلاً: اللہ کی ایک صفت ''علیم'' ہے۔وہ سب کچھ جانتا ہے۔دنیا کے ذرے ذرے کا اسے علم ہے۔کوئی بھی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں۔اس کا ارشاد ہے: وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۔(الأنعام:59)''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں''۔

وہ سینوں کے راز کو بھی جانتا ہے۔دل میں پیدا ہونے والے وسوسے اور خیالات کا بھی اسے علم ہے۔وہ آنکھوں کے اشاروں کو اور آنکھوں سے ہونے والی خیانتوں کو بھی جانتا ہے۔

آج انسان کواپنے علم اوراپنی ترقی پرناز ہے۔سائنس نے اس قدرترقی کی ہے کہ وہ دنیا کے کونے کونے میں ہونے والے حالات کواور فضامیں ہونے والی تبدیلیوں کواپنے آلات کے ذریعے معلوم کرسکتی ہے،مگران تمام ترقیوں کے باوجوداس دنیامیں بسااوقات ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جن سے اللہ کے علم کی عظمت اورانسانی علم کی بےبسی ظاہر ہوتی ہے۔ابھی ایک سال قبل ملیشیا کاایک جہازاپنے مسافروں سمیت غائب ہوگیا۔ساری دنیااپنے تمام آلات کے ساتھ اس کی کھوج میں لگی ہوی ہےمگراس کاسراغ لگانے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوسکی۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت'' قدیرٌ'' ہے۔آدمؑ کومٹی سے وجود بخشا،حواؑ کوبغیر ماں کے پیدا کیا،عیسیٰؑ کوبغیر باپ کے وجود بخشا۔اس کی قدرت کاصحیح اندازہ ہوجائےتوانسان کے دل میں اس کی عظمت پیداہوگی۔اگر یہ صفت ہمیشہ بندے کے پیشِ نظر رہےتووہ ہرطرح کی برائیوں سے بازرہے گا۔ایک شخص نے ساری زندگی معصیت میں گزاردی۔جب اس کی موت کاوقت آپہنچاتواس نے اپنے بچوں سے کہا: میراانتقال ہوجائے تومیری لاش کوجلادینااوراس کی راکھ کوپانی میں بہادینا اورہوامیں اڑادینا۔بچوں نے اس کی ہدایت کے مطابق انتقال کے بعد اس کوجلادیااوراس کی راکھ کوہوامیں اڑادیااور پانی میں بہادیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کودوبارہ زندہ کیااور پوچھا کہ تونے ایسا کیوں کیا؟اس نے کہا: تیری پکڑکےڈرسے۔اللہ نے اسےمعاف کردیا۔(مسلم:باب فی سعة رحمة اللہ تعالیٰ...:7156)

اللہ کی ایک صفت'' شدیدُ العقاب'' ہے۔وہ اپنے بندوں کوگناہوں پرسخت سزادینے والاہے۔انسان کواللہ کی اس صفت کاجب صحیح علم ہوجائے گاتووہ گناہوں کی جسارت نہیں کرے گا،بلکہ ہمیشہ گناہوں سے بازرہنے کی کوشش کرے گا۔بنی اسرائیل کے تین آدمی غارمیں پھنس گئے۔اس سے نکلنے کابظاہرکوئی راستہ نہیں تھا۔وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اپنے نیک اعمال کاواسطہ دےکراللہ سے مددطلب کرو۔وہی ہمیں اس مصیبت سےنجات دلاسکتاہے۔ان میں سے ایک ایساتھا،جس نے اپنی چچازادبہن کے ساتھ منہ کالاکرناچاہاتھا۔مگروہ اللہ کاخوف رکھنے والی اس

کے دامِ فریب میں نہیں آئی ۔ایک دن وہ قرض طلب کرنے کے لیے اس کے پاس پہنچی تو اس نے مجبوری کا فائدہ اٹھا کر بدکاری پر آمادہ کیا اور کہا کہ اسی شرط پر تمھیں رقم ملے گی کہ تم میری ہوس پوری کرو۔وہ بے چاری مجبور میں اس شرط کو قبول کرنے پر آمادہ ہوی۔جب وقتِ مقرر پر اس کے پاس پہنچی تو اللہ کی عظمت اور اس کا خوف اس پر اس قدر طاری ہوا کہ وہ کہنے لگی: اللہ سے ڈرو، اس حرکت سے باز آجاؤ، یہ تمھارے لیے جائز نہیں ۔اس نے ایسے انداز سے اس کو ڈرایا کہ وہ شخص بدکاری سے باز آ گیا۔اس نیکی کا حوالہ دیتے ہوے اس نے دعا کی: اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ مِنْهُ ۔''اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوش نودی کے لیے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دے''۔(اللہ تعالیٰ نے انھیں غار کی پریشانی سے نجات دلائی)۔(بخاری: باب من استأجر أجیر افترك أجره بغیر اذنه..:2272)

اللہ کی صفات میں ''غفور، رحیم اور رحمٰن'' بھی ہیں۔وہ گناہوں کو بخشنے والا، رحم کرنے والا اور اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ان صفات سے بھی اللہ کی عظمت واضح ہوتی ہے۔اگر انسان اللہ کی ان صفات سے صحیح طور پر واقف ہو جائے تو وہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوگا، بلکہ اپنے گناہوں کی مغفرت کا طلب گار ہوگا۔چناں چہ ارشاد ہے: قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔(الزمر:53) ''کہہ دو، اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے''۔

اللہ کی عظمت کو جاننے کا ایک ذریعہ قرآن مجید میں غور وفکر بھی ہے۔قرآن عظمتِ الٰہی کی ایک زبردست دلیل ہے۔دنیا میں ہر روز نئی نئی کتابیں منظر عام پر آتی ہیں، مگر کسی بھی کتاب کو وہ دوام حاصل نہیں ہوا جو قرآن کو نصیب ہے۔یہ اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک دلیل ہے۔اس کو نازل ہوے چودہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر اس میں زیر زبر کی بھی تبدیلی نہیں ہوی۔دشمنانِ اسلام نے قرآن کو ختم کرنے کی بے شمار کوششیں کیں اور کر رہے ہیں مگر وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہیں۔

انسان کے دل میں اللہ کی عظمت کا احساس جاگ جائے تو وہ برائی کی طرف مائل نہیں ہوگا۔اللہ کی عظمت وجلال کے احساس سے اس کے آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔چوری کرنے والا چوری سے باز آجائے گا، بدکاری کرنے والا بدکاری کی ہمت نہیں کرے گا۔حضرت یوسفؑ کو ملکۂ مصر نے بدکاری کی دعوت دی تو ان کے دل میں موجود اللہ کے جلال نے انھیں بدکاری سے باز رکھا۔کہنے لگے: مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّیٓ أَحْسَنَ مَثْوَایَ إِنَّهُ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ۔ (یوسف:23)''اللہ کی پناہ!وہ میرا رب ہے،اس نے مجھے اچھا ٹھکانا عطا کیا ہے۔یقیناً ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتے''۔

حضرت سعد بن بلالؒ فرماتے ہیں:لَاتَنْظُرُ اِلٰی صِغَرِ الْمَعْصِیَةِ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلٰی مَنْ عَصَیْتَهٖ وَلَوْعَرَفَ النَّاسُ قَدْرَعَظْمَةِ اللّٰهِ مَاعَصَوْا رَبَّهُمْ ۔''یہ مت سمجھو کہ یہ چھوٹا گناہ ہے بلکہ یہ دیکھو کہ تم ایک عظیم ہستی کی نافرمانی کررہے ہو۔اگر لوگ اللہ کی عظمت کو پہچان لیں تو اس کی نافرمانی کرنے کی ہمت کبھی نہیں کریں گے''۔

بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں:''اگر لوگ اللہ کی عظمت اور بڑائی میں غور کریں تو اس کی نافرمانی سے باز آجائیں، نیز فرمایا:اللہ تعالیٰ کی عظمت میں غور کرتے رہو۔پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کی جناب میں کیسے پیش ہونا ہے''۔(العظمۃ:25)

عظمتِ الٰہی میں غور وفکر ایک ایسی خوبی ہے جس سے انسان کے دل میں عبادتوں کا شوق پیدا ہوتا ہے۔حضرت زین العابدین حسین بن علیؒ نماز کے لیے جب وضو کرتے تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔کسی نے ایک مرتبہ پوچھا: کیابات ہے کہ آپؒ پریشان معلوم ہورہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ کچھ دیر بعد میں کس کے سامنے حاضر ہونے والا ہوں؟ میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے جارہا ہوں۔اس کی عظمت وجلالت کے احساس سے میرا یہ حال ہورہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی عظمت وجلالت کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦

اس بات پر ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام اللہ کے ارادے اور مشیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر درخت سے کوئی پتا بھی گرتا ہے تو وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے گرتا ہے، اور زمین سے کوئی پودا بھی اگتا ہے تو اس میں بھی اللہ ہی کی مشیت کارفرما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۔(الأنعام:59) ''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، اسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو کچھ خشکی میں ہے اور جو سمندروں میں ہے سب کا وہ علم رکھتا ہے۔ درختوں سے کوئی پتا نہیں گرتا اور زمین کے اندر کی اندھیریوں میں کوئی دانہ نہیں پھوٹتا مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے۔ کوئی خشک اور تر پھل نہیں گرتا مگر یہ کہ (علمِ الٰہی) کے واضح نوشتہ میں مندرج ہے''۔

اسی طرح انسان کا ہر عمل اللہ ہی کی مشیت اور ارادے پر موقوف ہے۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، اور اگر اللہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَّشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۔(التکویر:29) ''اور تم کچھ چاہ نہیں سکتے جب تک کہ اللہ نہ چاہے، جو سارے جہاں کا رب ہے''

اس کارخانہ ہستی میں اللہ کے سوا کسی کی مشیت چلتی ہے اور نہ کسی کا کوئی عمل دخل یہاں کارفرما ہے۔ یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اللہ ہی کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اس کی مشیت اور ارادے میں کوئی شریک نہیں ۔ نہ مقرب فرشتے، نہ انبیا و رسل، نہ اولیا اور نہ صلحا و شہدا۔ اللہ کی مشیت میں کسی اور کو شریک سمجھنا کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت قتیلہؓ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: اِنَّکُمْ تُشْرِكُوْنَ ، تَقُوْلُوْنَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ ۔ وَتَقُوْلُوْنَ : وَالْكَعْبَةِ ۔ ''تم لوگ شرک کرتے

ہو، کیوں کہ تم کہتے ہو کہ اگر اللہ چاہے اور رسول چاہیں‘‘۔اور تمھارا یہ قول ’’کعبہ کی قسم‘‘ بھی شرکیہ ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:اِذَا أَرَادُوْا أَنْ یَّحْلِفُوْا أَنْ یَّقُوْلُوْا:وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ،وَأَنْ یَّقُوْلُوْا:مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شِئْتَ۔’’جب قسم کھاؤ تو اس طرح کہو:ربِ کعبہ کی قسم!(یعنی کعبہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا) پھر فرمایا:’’اور یوں کہو:اگر اللہ چاہے پھر اگر آپ ﷺ چاہیں‘‘۔(یعنی آپ ﷺ نے اپنی مشیت کو اللہ کی مشیت کے تابع رکھا۔اسے رب کی مشیت کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا)۔(نسائی:باب الحلف بالکعبۃ:3789)

ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا:مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ۔’’اگر اللہ اور آپ ﷺ چاہیں‘‘۔ آپ ﷺ نے اس کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:جَعَلْتَ لِلّٰہِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔’’تم نے اللہ کی عبادت میں مجھے شریک کر دیا!اس طرح مت کہو بلکہ یوں کہو:اگر تنہا اللہ چاہے‘‘۔ (الأدب المفرد:باب قول الرجل ماشاء اللہ و شئت:783)

انسان خوشی یا غم،اچھائی یا برائی،نعمت یا مصیبت اور خیر یا شر میں سے جس سے بھی دوچار ہوتا ہے،وہ سب اللہ ہی کی جانب سے ہوتا ہے۔انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ اگر کوئی تکلیف یا پریشانی لاحق ہوتی ہے تو اسباب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہنے لگتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا،اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اس مصیبت سے بچ گیا ہوتا۔اگر فلاں نہ ہوتا تو یہ معاملہ پیش نہ آتا۔منافقین کی اس روش پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا گیا: یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ إِلٰی مَضَاجِعِهِمْ ۔(آل عمران:154)’’کہتے ہیں کہ اگر ہماری کوئی بات مانی جاتی،تو ہم یہاں پر قتل نہ کیے جاتے۔آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں ہوتے،تو جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھ دیا گیا تھا،وہ اپنی قتل گاہوں میں پہنچ ہی جاتے‘‘۔

ایک مومن کو اس طرح کے تبصروں سے باز رہنے اور اللہ کی مشیت پر ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَلَاتَعْجَزْفَاِنْ أَصَابَكَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّیْ فَعَلْتُ کَذَا وَکَذَا وَلٰکِنْ قُلْ :قَدَّرَ اللّٰہُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ ،فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ

الشَّیُطَانِ ۔(ابن ماجہ:بـاب فـی القدر:83)’’جو چیزیں تمھیں فائدہ پہنچائیں،اس کے حریص بنو،اورصرف اللہ ہی سے مدد مانگو،عاجز بن کر بیٹھے نہ رہو۔اگرکوئی مصیبت لاحق ہوجائے تواس طرح مت کہو:اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوتا، بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے کو میرے حق میں مقدر کردیاہےاور وہی ہوتا ہے جواللہ چاہتا ہے۔کیوں کہ’’اگر،مگر جیسے الفاظ‘‘شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتے ہیں‘‘۔

اگرکسی کوکوئی خوشی مل جائے،یا کوئی نعمت حاصل ہوتواس موقع پربھی اپنی طاقت،ذہانت اور صلاحیتوں پر ناز نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہی سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ کی مشیت اورارادے سے ہوا ہے۔سورۂ کہف میں ایک نافرمان کاذکرآیا ہے،جسے اللہ تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا۔ وہ اللہ کاشکر بجالانے کی بجائے ان نعمتوں پر اترانے لگا۔اس کے ایک نیک دوست نے نصیحت کرتے ہوئے اس کی حقیقت یاددلائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک حقیر نطفے سے پیدا کیا،بچپن،لڑکپن اور جوانی سے گزار کر تمھیں ایک صحت منداور طاقت ورانسان بنایااور یہ ساری نعمتیں عطا کیں۔تمھیں اللہ کاشکر بجالانا چاہیےاوراس کی عبادت میں کسی کوشریک نہیں کرنا چاہیے۔ان نعمتوں کو دیکھنے اور اللہ کے عطا کردہ خوب صورت باغ میں داخل ہونے کے بعد تمھاری زبان پرتو یہ الفاظ ہونا چاہیے تھا: مَا شَـاءَ اللّٰہُ لَا قُـوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔(الکہف:39)’’اللہ نے جو چاہا ہے وہ ہوا ہے،اللہ کی مشیت کے بغیرکسی کوکوئی قوت حاصل نہیں ہوسکتی‘‘۔

ہرمسلمان کواللہ کی مشیت اورارادے کی حقیقت کاعلم ہونا چاہیے،کیوں کہ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔عقیدے کی ان باتوں کی تعلیم اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرامؓ کوابتدا ہی سے دیا کرتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ ابھی بچے تھے۔ایک مرتبہ سواری پرآپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں عقیدے کی جوبنیادی باتیں بتائیں ان میں سے ایک یہ تھی: وَاعْـلَـمْ أَنَّ الْأُمَّۃَ لَـوِاجْتَمَعَتْ عَلٰىٓ أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰہُ لَكَ وَلَوِاجْتَمَعُوْا عَلٰٓى أَنْ يَّـضُـرُّوْكَ بِشَـیْءٍ لَـمْ يَـضُـرُّوْكَ اِلَّا بِشَـیْءٍ قَـدْ كَتَبَـهُ اللّٰـهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ

الــصُّــحُفُ ۔(صحیح الجامع الصغیر:7957)''اچھی طرح یادرکھو!اگرساری دنیاوالےمل کرتمھیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو وہ تمھیں اتنا ہی فائدہ پہنچاسکتے ہیں جتنا کہ اللہ نے تمھاری تقدیر میں لکھ دیا ہے اوراگرسب مل کرتمھیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ اتنا ہی نقصان پہنچاسکتے ہیں جتنا اللہ نے تمھارے مقدر میں لکھ دیا ہے۔تقدیر کاقلم اٹھالیا گیااور نامۂ اعمال کی سیاہی سوکھ چکی ہے''۔یعنی اللہ کے اس فیصلے میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

اللہ کی مشیت کا یہ عقیدہ اگر انسان کے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہے تو کوئی بھی مصیبت اسے ہلانہیں سکتی۔افسردہ ہونے کی بجائے مومن کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے ہیں:اِنَّــــالِــلّٰــــهِ وَاِنَّـــااِلَيْــــهِ رَاجِـعُوُنَ ۔اوراگرکوئی نعمت حاصل ہوتو اس پر اترانے کی بجائے اس کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوتے ہیں:مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔

اگر یہ عقیدہ انسان کے دل ودماغ پر چھایا رہے تو وہ کسی بھی کام کوانجام دینے کے لیے اپنی صلاحیت وقابلیت اورعلم وتجربے پر بھروسہ نہیں کرے گا، بلکہ اللہ کی ذات پر اس کا بھروسہ ہوگا،اوریقین رکھے گا کہ اگراللہ چاہے تو میرا کام ہوگا،ورنہ ہرگزنہیں ہوگا۔اسی لیے ہمیں حکم دیا گیاہے کہ ہرکام سے پہلے''اِن شاءاللہ'' کہیں۔یعنی اگراللہ چاہے تو یہ کام ہوگا۔

لفظ''اِن شاءاللہ'' بظاہر بہت ہی مختصر کلمہ ہے،مگراس کے اندر بہت بڑی طاقت ہے۔یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرامؑ ہرکام سے پہلے ان شاءاللہ کہا کرتے تھے۔حضرت موسیٰؑ مصر سے نکل کر مدین پہنچے،اورحضرت شعیبؑ کے پوچھنے پر اپنی ساری داستان سناڈالی تو انھوں نے فرمایا: إِنِّـــيۡ أُرِيۡــدُ أَنۡ أُنۡـكِـحَكَ إِحۡدَى ابۡنَتَيَّ هَاتَيۡنِ عَلٰى أَنۡ تَأۡجُرَنِيۡ ثَمَانِيَ حِجَجٍ فَإِنۡ أَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ وَمَـا أُرِيۡدُ أَنۡ أَشُـقَّ عَـلَيۡكَ سَتَـجِـدُنِـيۡ إِنۡ شَـاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّالِحِيۡنَ ۔(القصص:27)''میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے کسی ایک سے تمھاری شادی کرادوں،اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میرے پاس ملازمت کرو،اوراگر دس سال پورے کروگے تو تمھاری جانب سے میرے ساتھ بھلائی ہوگی،اور میں تم پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔تم مجھے''ان شاءاللہ'' نیک لوگوں میں سے پاؤگے''۔

حضرت شعیبؑ پیغمبر تھے، مگر انھوں نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو تم مجھے نیک پاؤ گے۔ ان کی اسی ''اِن شاء اللہ'' کی برکت تھی کہ حضرت موسیٰؑ نے دس سالہ طویل مدت خیر و خوبی کے ساتھ گزار دی۔

حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ اپنے چہیتے بیٹے کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہے ہیں۔ بیٹے سے خواب کا تذکرہ کیا۔ بیٹے نے جواب دیا: یَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ۔(الصافات:102)''ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزریے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے''۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ''اِن شاء اللہ'' کہنے کی وجہ سے اس کٹھن موقع پر حضرت اسماعیلؑ کے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

کوئی کام کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو، مستقبل میں اس کو انجام دینا ہو تو ''ان شاء اللہ'' ضرور کہنا چاہیے۔ حضرت یوسفؑ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف آزمائشوں سے گزارنے کے بعد مصر کا بادشاہ بنا دیا۔ اس دوران بھائیوں سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت یوسفؑ نے ان سے فرمایا کہ والدین کو اور تمام گھر والوں کو مصر لے آئیں۔ جب والدین اور رشتے دار کنعان سے مصر پہنچے تو حضرت یوسفؑ استقبال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ادْخُلُوْا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ آمِنِیْنَ۔(یوسف:99)''آپ لوگ شہر میں داخل ہوں، اگر اللہ چاہے تو امن کے ساتھ رہو گے''۔

حضرت یوسفؑ وقت کے بادشاہ تھے۔ اپنے رشتے داروں کے لیے ہر طرح کا سکون اور آرام پہنچانے کی طاقت رکھتے تھے مگر انھوں نے ''ان شاء اللہ'' کہا۔ یعنی اگر اللہ چاہے تو یہاں تمھیں امن و سکون نصیب ہوگا۔

کام کتنا ہی مشکل اور ناممکن کیوں نہ ہو، ''اِن شاء اللہ'' کی برکت سے آسان ہو جاتا ہے۔ سورہ بقرہ میں حضرت موسیٰؑ کی قوم کا واقعہ مذکور ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے مقتول کا پتا لگانے کے لیے ایک گائے ذبح کرنے کو کہا تو قومِ موسیٰؑ نے مختلف قسم کے سوالات کر کے معاملے کو پیچیدہ بنا لیا، مگر ساتھ ہی انھوں نے کہا: وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَمُهْتَدُوْنَ۔(البقرہ:70)''اگر اللہ چاہے تو ہم یہ گائے

پانے میں کامیاب ہوجائیں گے''۔ان کے''اِن شاء اللہ'' کہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کوآسان بنادیااوروہ اس گائے کو پانے میں کامیاب ہوے۔

''اِن شاء اللہ'' نہ کہنے کی وجہ سے بظاہر آسان کام بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ یہودیوں نے رسول اکرم ﷺ سے تین سوالات کیے۔روح کی حقیقت کیا ہے؟اصحابِ کہف اور ذو القرنین کون ہیں؟۔آپ ﷺ نے فرمایا:ان کے جوابات میں تمھیں کل بتاؤں گا۔لیکن **15**/ دنوں تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔پندرہ دن بعد جب وحی آئی تو آپ ﷺ سے کہا گیا:وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۔ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ ۔(تفسیر احسن البیان،سورۂ کہف،آیت نمبر:**24**،**23**)''اور آپ کسی چیز کے بارے میں نہ کہیں کہ میں اس کام کوکل کروں گا۔ہاں،یوں کہیے کہ اگر اللہ چاہے گا(تو کروں گا)''۔

حضرت سلیمانؑ کی کئی بیویاں تھیں ۔انھوں نے ایک دن قسم کھائی کہ آج رات میں تمام بیویوں سے ہم بستری کروں گا، ہر بیوی ایک شہسوار بچے کو جنم دے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان کے ایک درباری نے کہا کہ''اِن شاء اللہ'' کہو،مگر ان سے بھول ہوگئی۔اس رات ساری بیویوں سے خلوت کی مگر کسی سے اولادنہیں ہوی،صرف ایک بیوی سے ایک ناقص بچہ پیدا ہوا۔اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:وَاَیْمُ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ !لَوْقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فُرْسَانًا اَجْمَعُوْنَ۔ (بخاری:باب کیف کانت یمین النبی ﷺ:**6639**)''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے!اگر وہ ان شاءاللہ کہتے تو سب بیویوں سے اولاد ہوتی اور سب مجاہد فی سبیل اللہ ہوتے''۔

''ان شاءاللہ'' کا مطلب ہے اگر اللہ چاہے۔کام کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر اللہ نہ چاہے تو نہیں ہوگا۔صحیح بخاری کی روایت ہے۔حضرت موسیٰؑ سے کسی نے پوچھا:''لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا: میں ہوں۔اللہ تعالیٰ کو یہ جملہ پسند نہیں آیا،اس لیے کہ انھوں نے اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی تھی۔اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے بتایا کہ موسیٰ اس

دنیا میں ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے بھی بڑا عالم ہے۔حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ اے اللہ! اس سے ملاقات کس طرح ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں، وہیں ہمارا وہ بندہ بھی موجود ہوگا۔(بخاری: باب فضل من علم وعلّم) حضرت موسیٰؑ طلبِ علم کی خاطر ایک طویل سفر کرکے حضرت خضرؑ کے پاس پہنچے۔تعارف کے بعد فرمایا کہ میں آپ سے علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔حضرت خضرؑ نے جواب دیا: إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۔(الکہف: 67) ''آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر پاؤ گے''۔حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِراً وَّلَا أَعْصِيُ لَكَ أَمْرًا ۔(الکہف: 69) ''ان شاء اللہ، آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا''۔

حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ دوران تعلیم کوئی سوال نہ کرنا۔حضرت موسیٰؑ نے شرط منظور کرلی۔مگر جب بھی ان سے بظاہر شریعت کی خلاف ورزی دیکھتے تو ٹوک دیتے۔ جب تین مرتبہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کو ٹوکا تو انھوں نے فرمایا: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيُ وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيُلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعُ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۔(الکہف: 78) ''میرے اور تمھارے درمیان جدائی کی یہی گھڑی ہے، جن باتوں پر تم صبر نہ کرسکے تھے، میں تمھیں ان کی تاویل بتاتا ہوں''۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ، حضرت خضرؑ سے علم حاصل کرنا چاہتے تھے۔انھوں نے ''اِن شاء اللہ'' بھی کہا مگر اللہ کی مشیت نہیں ہوی جس کی وجہ سے انھیں لوٹنا پڑا۔ ہماری کوشش کے باوجود اگر کوئی کام تکمیل کو نہ پہنچے تو ہمیں سمجھ جانا چاہیے کہ اس میں اللہ کی مشیت نہیں تھی۔

آج کل بعض لوگ اگر کسی کام کو نہ کرنا ہو تو ''اِن شاء اللہ'' کہہ دیتے ہیں۔اور کہتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا، اس لیے یہ کام نہیں ہوا۔ یہ غلط حرکت ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مشیت الٰہی کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦ ✦ ✦

رفاقتِ نبوی ﷺ اور اس کے ذرائع

رفاقتِ نبویؐ بڑی خوش قسمتی اور سعادت مندی کی بات ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں:''رسول اکرم ﷺ کی معیت دنیا کی عظیم نعمت ہے۔ایک لمحہ آپؐ کی رفاقت دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اصحابِ رسول کہا جاتا ہے ۔یعنی آپ کی صحبت اور رفاقت ہی کی وجہ سے ان کی شناخت قائم ہوی۔قرآن مجید میں کئی مقامات پر صحابہ کرامؓ کا تعارف آپؐ کی صحبت اور رفاقت کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ایک جگہ ارشاد باری ہے:مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ . (الفتح:29)''محمد اللہ کے رسول ہیں،اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں،آپس میں رحم دل ہیں''۔

صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی معیت اور رفاقت پر فخر کیا کرتے تھے۔احادیث کی کتابوں میں صحابہ کرامؓ کے یہ الفاظ اکثر ملتے ہیں۔صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ۔''مجھے رسول اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف نصیب ہوا''۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ سِنِيْنَ ۔(بخاری:باب علامات النبوة فی الاسلام:3591)''میں اللہ کے رسول ﷺ کی صحبت میں تین سال رہا''۔

جب کوئی تابعی کسی صحابی سے ملاقات کرتے تو انھیں مبارک بادی دیتے کہ خوش نصیب ہیں آپ کہ نبی کریم ﷺ کی معیت کا شرف آپ کو حاصل ہوا۔حضرت میبّبؒ نے صحابیؐ رسول براء بن عازبؓ سے ملاقات کی تو فرمایا:طُوبٰى لَكَ صَحِبْتَ النَّبِيَّ ﷺ وَبَايَعْتَهُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔(بخاری:باب غزوة الحديبية:4170)''آپؓ قابلِ مبارک باد ہیں کہ رفاقتِ نبویؐ نصیب ہوی اور بیعتِ رضوان میں شرکت کا شرف حاصل ہوا''۔

حضرت عمرؓ مرضِ وفات میں تھے۔لوگ آپؓ کی خوبیاں بیان کرتے ہوے تسلی دینے لگے۔ان

میں سے ایک شخص نے کہا:لَقَدْصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَـأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقْتَهُ وَهُوَعَنْكَ رَاضٍ ۔(صحیح بخاری:باب مناقب عمربن الخطاب :3692)''آپؓ کورسول اکرمؐ کی رفاقت نصیب ہوی اور آپؓ نے اس کا حق ادا کیااور جب رسول ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ آپؓ سے خوش تھے''۔

صحابہ کرامؓ ہمیشہ آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے کو پسند کرتے تھے۔مشکل سے مشکل حالات میں بھی انھوں نے آپؐ کی رفاقت کو ترجیح دی۔جب ہجرت کا حکم ہوا تو آپؐ اس کی اطلاع دینے کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور انھیں یہ خوش خبری سنائی کہ اللہ نے مجھے ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے گزارش کی:''اے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔میری تمنا ہے کہ اس سفر میں آپؐ کی رفاقت مجھے نصیب ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں،ضرور، آپؓ میرے ہم سفر ہوں گے۔(بخاری:باب هجرة النبی ﷺ)

قرآن مجید نے حضرت ابوبکرؓ کو ''صاحبِ رسول'' کہہ کر آپؓ کی شان میں اضافہ کیا ہے۔ارشاد ہے: ثَـانِـيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِيْ الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. (التوبۃ:40)''دو میں سے دوسرا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے،جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر،اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ــــــــــــ اسی لیے آپؓ کو ''یارِغار'' بھی کہا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے مقام ومرتبے میں اضافے کی ایک اہم وجہ رفاقتِ نبویؐ ہے۔اس کی وجہ سے ان کے اجروثواب میں اضافہ ہوااور ان کی عبادتیں افضل قرار پائیں۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لَاتَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَوْأَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَانَصِيْفَهُ (بخاری:باب قول النبی لو كنت متخذا خليلا:3673)''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے،تب بھی وہ ان کے مُد یا نصف مُد کے برابر صدقے کو بھی نہیں پہنچ سکتا''۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا گیا:حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ افضل ہیں یا حضرت

معاویہؓ؟ تو انھوں نے جواب دیا: وَاللّٰہِ اِنَّ الْغُبَارَالَّذِیْ دَخَلَ فِیْ أَنْفِ فَرَسِ مُعَاوِیَۃَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ أَفْضَلُ مِنْ عَمَلِ عُمَرَ بَأَلْفِ مَرَّۃٍ،صَلّٰی خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺفَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ:رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ.فَمَا بَعْدَ ھٰذَاالشَّرَفِ الْأَعْظَمِ.
(الشریعة:5/2466۔منهاج السنة لابن تیمیة:فصل قاعدة کلیة أن لا نعتقدبعصمة أحد)''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کی گرد وغبار عمر بن عبدالعزیز سے ہزار درجہ افضل ہے۔حضرت معاویہؓ نے رسول اکرم ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھیں ، آپؐ نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہا تو معاویہؓ نے:رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہا۔اس کے بعد اس سے بڑا شرف اور کیا ہوسکتا ہے''۔

دنیا میں اگر کسی کو نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوجائے تو اس کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے اور اگر کسی کو یہ اعزاز جنت میں حاصل ہوجائے تو اس کی خوش نصیبی کے کیا کہنے!۔ہم اس دنیا میں آپؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہیں کر سکے اور نہ اب اس کے لیے کوئی موقع مل سکتا ہے،البتہ جنت میں یہ شرف ہمیں بھی حاصل ہوسکتا ہے۔اِس کے لیے اُن ذرائع کو اپنانا ہوگا جو قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ذیل میں ان ذرائع کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کیا جا رہا ہے:

1۔رسول اکرم ﷺ کی محبت: جنت میں نبی کریم ﷺ کی صحبت اور رفاقت کا سب سے اہم ذریعہ آپؐ سے محبت ہے۔جس شخص کے دل میں رسولؐ کی سچی محبت ہوگی ،وہ جنت میں آپ کی رفاقت حاصل کرسکتا ہے۔ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگا: قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے دریافت کیا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے کچھ زیادہ تیاری نہیں کی ،البتہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا:أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ ۔''تم قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوگے جن سے تم محبت کرتے ہو''۔راویِ حدیث حضرت انسؓ فرماتے ہیں:فَمَافَرِحْنَا بِشَیْءٍ مَا فَرِحْنَا بِقَوْلِ النَّبِیِ ﷺ :أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔

ہمیں آپؐ کے اس قول سے جتنی خوشی ہوی، اتنی کسی اور بات سے نہیں ہوی۔ پھر فرماتے ہیں: اِنِّـــی أُحِـبُّ النَّبِیَّ ﷺ وَأَبَـابَـکْـرٍ وَعُـمَـرَ وَأَرْجُوْ أَنْ أَکُوْنَ مَعَهُمْ لِحُبِّیْ اِیَّاهُمْ وَاِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ۔ ''میں اللہ کے رسولؐ سے، ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میری اس محبت کی وجہ سے جنت میں مجھے ان سب کی رفاقت نصیب ہوگی، اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔ (صحیح بخاری: باب مناقب عمر بن الخطاب :3688)

2۔ جنت میں رفاقتِ نبویؐ کا دوسرا اہم ذریعہ آپؐ کی اتباع ہے۔ ہر مسلمان آپؐ سے محبت کا دعوی کرتا ہے، مگر محبت کا حقیقی معیار آپؐ کی پیروی ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی شخص دعوئ محبت میں سچا نہیں ہوسکتا۔ رسول کرم ﷺ کے چچا ابوطالب آپؐ سے بے حد محبت کیا کرتے تھے۔ جب تک زندہ رہے آپؐ کے محافظ اور معاون بنے رہے۔ دشمنوں نے جب آپؐ کا بائیکاٹ کیا اور آپؐ کو شعبۂ ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور کیا تو چچا ابوطالب ایمان نہ لانے کے باوجود تین سال تک شعب ابی طالب میں آپؐ کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے، مگر ابوطالب کو یہ محبت کچھ فائدہ نہیں پہنچاسکی، کیوں کہ یہ محبت اتباع اور اطاعت سے خالی تھی۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان آپؐ سے محبت کا دعوی تو کرے مگر آپؐ کی اتباع اور پیروی نہ کرے، آپؐ کے بتائے ہوے طریقے کے مطابق زندگی نہ گزارے اور آپؐ کی سنتوں پر عمل نہ کرے تو وہ آپؐ کی محبت میں سچا نہ ہوگا۔

ایک صحابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوے: ''اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ ﷺ کو اپنی جان و مال اور اہل وعیال سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ جب میں اپنے گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہوتا ہوں اور آپؐ کی یاد آتی ہے تو میں بے چین ہوجاتا ہوں اور دوڑا دوڑا حاضرِ خدمت ہوتا ہوں، جب تک آپ کو دیکھ نہیں لیتا اور آپ سے ملاقات نہیں کرلیتا مجھے قرار نہیں آتا۔ مگر جب میں اپنی اور آپؐ کی موت کو یاد کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاے کرامؑ کے ساتھ بلند درجات میں ہوں گے، اگر میں جنت میں گیا بھی تو آپؐ کی رفاقت اور دیدار سے محروم ہی رہوں گا

تو بے چین ہو جاتا ہوں۔اس پر سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوی:وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقاً. (النساء:69)''جو بھی اللہ کی اور رسول کی فرماں برداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی ،صدیق ،شہید اور نیک لوگ ، یہ بہترین رفیق ہیں''۔(مجمع الزوائد:کتاب التفسیر)

3۔نوافل کا اہتمام بھی جنت میں رفاقتِ نبویؐ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ رسول اکرم ﷺ کے خاص خادموں میں سے تھے۔راتوں میں بھی آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتے تھے۔جب آپ تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو فوراً وضو کے لیے پانی پیش کرتے اور آپؐ کی دیگر ضروریات پوری کرتے۔ان کی خدمات سے خوش ہوکر ایک مرتبہ آپؐ نے ان سے فرمایا: مانگو،تمھاری مراد پوری کی جائے گی۔ربیعہ بن کعبؓ نے فرمایا:أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ ۔''میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں''۔آپؐ نے فرمایا: کوئی دوسری چیز مانگو۔انھوں نے فرمایا:نہیں !مجھے دنیا کی کسی چیز کی تمنا نہیں ، مجھے تو بس جنت میں آپ کی رفاقت چاہیے۔آپؐ نے فرمایا:''کثرت سے نوافل کا اہتمام کرو،تمھیں جنت میں میری رفاقت نصیب ہوگی''۔(مسلم:باب فضل السجود والحث علیہ:1122)

4۔اللہ کے رسولؐ پر درود بھیجنے کی بڑی فضیلت احادیث میں بیان ہوی ہے۔اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں،درجات بلند ہوتے ہیں،مصائب ومشکلات دور ہوتے ہیں،اوراس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے قیامت کے دن آپؐ کا تقرب حاصل ہوتا ہے ۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً. (صحیح الترغیب والترھیب : 1666) ''قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتا ہے''۔

5۔حسن اخلاق:اچھے اخلاق ایک مسلمان کی پہچان ہے۔رسول اکرم ﷺ کا تعارف قرآن مجید

میں اخلاق کے حوالے سے کیا گیا ہے(القلم:۴)۔اچھے اخلاق کے ذریعے بندۂ مومن رسول اکرم ﷺ کا محبوب اور قیامت کے دن آپؐ کا رفیق بن جاتا ہے۔آپؐ کا ارشاد ہے:اِنَّ مِنْ أَحَبِّکُمْ اِلَيَّ وَأَقْرَبِکُمْ مِّنِیْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنِکُمْ أَخْلَاقًا۔(صحيح الترغيب والترهيب :2897)''تم میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہوں گے''۔

6۔یتیم کی کفالت: یتیم اس بچے کو کہا جاتا ہے جس کے سر سے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کا سایہ اٹھ چکا ہو۔ایسا بچہ لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کا مستحق ہوتا ہے۔ایسے بچوں کی پرورش، تربیت اور کفالت بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔جو لوگ یتیموں کی پرورش کرتے ہیں ان کے لیے ایک خوش خبری یہ سنائی گئی کہ قیامت کے دن انھیں رفاقتِ نبویؐ نصیب ہوگی۔ارشادِ نبوی ہے:أَنَا وَ کَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا... (صحيح الجامع الصغير :1475)''میں اور یتیموں کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے''۔آپؐ نے درمیانی اور شہادت کی انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

7۔لڑکیوں کی پرورش اور تربیت: لڑکیوں کی پرورش اور ان کی تعلیم وتربیت والدین کی بڑی ذمہ داری ہے۔اسلام نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور اس کو بڑے اجر وثواب کا کام بتایا ہے۔جو لوگ اپنی لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں وہ جنت میں رفاقتِ نبویؐ کے مستحق ہوں گے۔آپؐ کا ارشاد ہے: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تُدْرَكَا دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ. (الأدب المفرد :894)''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو میں اور وہ جنت میں ایسے ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں ہیں''۔آپؐ نے دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

8۔دعا: رفاقتِ نبویؐ کا ایک اہم ذریعہ دعا ہے۔ایک مرتبہ رات کے وقت اللہ کے رسول ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز پڑھ رہے تھے۔آپؐ نے ان سے فرمایا: مانگو، اللہ تمھاری مراد ضرور پوری کرے گا۔پھر آپؐ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ سے خطاب کر کے فرمایا:''جو شخص قرآن مجید کو ویسے پڑھنا چاہے جیسے وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ام

عبد کے بیٹے (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) کی طرح پڑھے''۔ صبح ہوی تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس پہنچے اور انھیں یہ خوش خبری سنائی اور دریافت کیا کہ (اللہ کے رسولؐ نے جب تمھیں دعا کے لیے فرمایا تو) تم نے کیا دعا کی؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا: میں نے یہ دعا کی:
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا لَایَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَایَنْفَدُوَمُرَافَقَةَ مُحَمَّدٍ ﷺ فِیْ اَعْلٰی جَنَّةِ الْخُلْدِ۔ (السلسلة الصحیحة :2301)''اے اللہ! میں تجھ سے ایمان پر ثابت قدمی کا، کبھی ختم نہ ہونے والی نعمتوں کا اور خلدِ بریں کے اعلیٰ درجات میں محمد ﷺ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں''۔

یہ چند اسباب ہیں جن کے ذریعے ہم جنت میں رسول اکرم ﷺ کی رفاقت اور آپ کی معیت کے مستحق بن سکتے ہیں۔ ہمیں رفاقتِ نبویؐ کے حصول کے لیے ان ذرائع کو اختیار کرنا چاہیے اور ان پر دل جمعی کے ساتھ عمل کرتے رہنا چاہیے۔ عقیدہ اور ایمان میں مضبوطی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائی بے حد ضروری ہے۔ یہ اسلام کی بنیاد ہے۔ اس کے بغیر حصولِ جنت اور اُخروی نجات ناممکن ہے۔ عموماً مسلم معاشرے میں اس معاملے میں بڑی غفلت پائی جاتی ہے۔ محض دعووں اور زبانی جمع خرچ سے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ ایمان اور عمل صالح مدارِ نجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح عقیدہ اور ایمان کے ساتھ قرآن و حدیث پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ ✦✦✦

اسلام میں مسجد کا بڑا مقام ہے۔ یہ روے زمین کی سب سے پاکیزہ، مقدس اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: أَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا ۔ (صحیح ابن حبان: باب المساجد) ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ اس کی مسجدیں ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے مساجد کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ان کو ''اللہ کا گھر'' کہا گیا ہے۔ اس دنیا کو بسانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے اسی گھر (مسجد) کو بنایا۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: إِنَّ أَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکاً وَّھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ ۔ (آل عمران: 96) ''بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، اور تمام جہاں والوں کے لیے باعثِ برکت و ہدایت ہے''۔

مسجد اسلام کا شعار اور مسلم آبادیوں کی پہچان ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا معمول تھا کہ جنگ کے موقع پر جب کسی بستی پر حملہ کرنا ہوتا تو صبح تک انتظار کرتے۔ اگر اذان کی آواز سنائی دیتی تو رک جاتے۔ ورنہ اس پر حملہ کر دیتے۔ (بخاری: باب ما یحقن بالأذان من الدماء: 610)

مساجد دین کے قلعے اور تعلیمِ کتاب و سنت کے مراکز ہیں۔ یہ رشد و ہدایت کا منبع، نسلِ نو کی تربیت گاہ اور مرد و خواتین کے لیے درس گاہ بھی ہیں۔ یہ ایسے روحانی مراکز ہیں جہاں مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوتی ہے، اخلاق سنوارے جاتے ہیں، باہمی الفت و محبت اور اتحاد و اتفاق کا درس دیا جاتا ہے۔ یہاں ہم دردی اور غم خواری کا جذبہ ابھرتا ہے۔ اپنے بھائیوں کے دکھ درد کو سمجھنے اور ان کا ہاتھ بٹانے کا احساس جاگتا ہے۔ ایمانی اخوت مضبوط ہوتی ہے۔ خود غرضی اور مفاد پرستی جیسی بری صفات سے دل پاک ہوتا ہے۔ یہاں زندگی گزارنے کے رہ نما اصول سکھائے جاتے ہیں اور

آخرت طلبی کا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔

مساجد نے مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کے درمیان سے نسلی اور امتیازی تفاوت کو ختم کرنے میں زبردست رول ادا کیا ہے۔ یہ مسجدیں ہی ہیں جنھوں نے آقا و غلام، حاکم و محکوم، شاہ و گدا اور امیر و غریب کی تفریق کو مٹا کر سب کو ایک صف میں لا کھڑا کیا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اسی لیے قرآن مجید اور احادیث میں مسجد کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ مسجد بنانا بڑا افضل عمل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا یَبْتَغِیْ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ مِثْلَهٗ فِی الْجَنَّةِ۔ (صحیح الجامع الصغیر: 6131) ''جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کوئی مسجد بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کے مثل جنت میں اس کے لیے گھر بناتا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے مسجد بنائی۔ مدینہ کے قریب قبا نامی بستی میں پہنچے تو وہاں پندرہ دن قیام فرمایا اور ایک مسجد بنائی، جس کو ''مسجدِ قبا'' کہا جاتا ہے۔ اور مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے مسجد ہی بنائی، جس کو مسجدِ نبوی کہا جاتا ہے۔

مسجد کو آباد رکھنا اور اس سے اپنا تعلق مضبوط کرنا، یہ ایمان کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى أُولٰئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۔ (التوبہ: 18) ''اللہ کی مسجدوں کو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ پس یہ لوگ امید ہے کہ ہدایت پانے والے ہیں''۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''اگر تم کسی کو پابندی کے ساتھ مسجد کی طرف جاتا ہوا دیکھو تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو''۔ (ابن ماجہ: باب لزوم المساجد وانتظار الصلاۃ)

جس قدر مسجد سے تعلق مضبوط ہوگا، بندہ اسی قدر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ قیامت کے دن

اللہ تعالیٰ جن سات خوش نصیبوں کو اپنے سایے میں جگہ دے گا، ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کا مسجد سے گہرا تعلق ہوگا۔ (مسلم: باب فضل إخفاء الصدقة: 2427)

جو لوگ مسجد سے مضبوط تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے گا اور ان کے گناہوں کو مٹا دے گا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: أَلاَ أَدُلُّكُمْ مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ ۔ ''کیا میں تمھیں ایسا عمل نہ بتلاؤں، جس کے ذریعے اللہ تمھارے گناہوں کو مٹا دے اور تمھارے درجات بلند کرے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: ضرور بتایئے اے اللہ کے رسول ﷺ۔ آپ نے فرمایا: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذَالِكُمُ الرِّبَاطُ ۔ (مسلم: باب فضل إسباغ الوضوء على المكاره: 610) ''ناپسندیدگی کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا، مسجد کی طرف زیادہ سے زیادہ قدم بڑھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنا۔ یہ اعمال دین کے محافظ اور پہرے دار ہیں''۔

مسجد سے تعلق رکھنے والوں پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کی۔ نماز کے بعد کچھ لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور کچھ مسجد ہی میں دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ دوڑتے ہوے مسجد میں داخل ہوے۔ آپ ﷺ کی سانس پھول رہی تھی۔ جو لوگ مسجد میں موجود تھے، انھیں خطاب کر کے فرمایا: أَبْشِرُوا: هٰذَا رَبُّكُمْ، قَدْ فَتَحَ بَابًا مِّنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ، يَقُولُ: أُنْظُرُوا إِلَى عِبَادِي قَدْ قَضَوْا فَرِيْضَةً وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَ أُخْرىٰ ۔ ''خوش ہو جاؤ، یہ تمھارا رب ہے۔ اس نے آسمان کا ایک دروازہ کھول دیا ہے، اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتے ہوے فرماتا ہے: ''دیکھو! یہ میرے بندے ہیں جو ایک نماز ادا کر چکے ہیں اور دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوے ہیں''۔ (ابن ماجہ: باب لزوم المساجد و انتظار الصلاة: 850)

قیامت کے دن جب لوگوں کو پل صراط پار کرنا ہوگا تو اس وقت ہر طرف تاریکی چھائی ہوی

ہوگی۔اس دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو روشنی عطا کرے گا،اسی روشنی میں پل صراط پار کیا جاسکتا ہے۔جن خوش نصیبوں کو اس دن اللہ تعالیٰ اپنا نور اور روشنی عطا کرے گا،ان میں ایک شخص وہ بھی ہوگا،جس کا مسجد سے گہرا تعلق ہوگا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(ابن ماجہ:باب المشی الی الصلاۃ :830)''قیامت کے دن مکمل نور کی خوش خبری سنادو ان لوگوں کو جو تاریکی کے باوجود چل کر مسجد کی طرف آتے ہیں''۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ بنوسلمہ کا گھر مسجد سے بہت دوری پر تھا۔انھیں معلوم ہوا کہ مسجد کے قریب کوئی گھر خالی ہوا ہے تو انھوں نے چاہا کہ وہاں آکر مقیم ہوجائیں،تاکہ مسجد آنے جانے میں سہولت ہوسکے۔جب اس کی اطلاع ہوی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:اے سلمہ کے گھرانے والو!اپنے اُن ہی گھروں کو لازم پکڑو۔تم مسجد کو آنے کے لیے جو جو قدم اٹھاتے ہو،ان میں ہر ایک پر تمھارے لیے اجر وثواب لکھا جاتا ہے۔بنوسلمہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ کے اس قول سے اس قدر خوشی ہوی کہ اُتنی خوشی مسجد کے قریب کے گھر میں منتقل ہونے سے بھی نہیں ہوتی۔(مسلم:باب فضل کثرۃ الخطاالی المساجد:1550)

رسول اکرم ﷺ کا تعلق مسجد سے بڑا گہرا تھا۔اپنے سارے دینی کام یہیں انجام دیتے تھے۔صحابہ کرامؓ کی تعلیم وتربیت یہیں فرماتے تھے۔لوگوں کے نزاعات کے فیصلے بھی مسجد ہی میں انجام دیتے تھے۔''جب بھی سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد تشریف لے جاتے''۔(ابوداؤد:باب فی الصلاۃ عندالقدوم من السفر)اور جب بھی کوئی مصیبت یا پریشانی لاحق ہوتی تو مسجد کا رخ کرتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں ایک مرتبہ سورج گرہن لگا،آپ ﷺ بہت گھبرا گئے۔ایسا معلوم ہورہا تھا کہ قیامت ابھی قائم ہوجائے گی،فوراً آپ ﷺ مسجد تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کی،جس میں آپ ﷺ نے قیام،رکوع اور سجدے معمول سے بہت زیادہ طویل کیے۔(مسلم:باب ذکر النداء بصلاۃ الکسوف الصلاۃ..)

مسجد کے کچھ آداب ہیں جن کا خیال رکھنا ہر مومن کے لیے ضروری ہے۔

1۔ مسجد کو اچھے لباس میں جانا چاہیے۔ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ مومن بندہ جب اللہ کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو حقیقت میں وہ اللہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ یہ دنیا کا دستور ہے کہ انسان کسی بڑے آدمی سے ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اچھے سے اچھا لباس زیب تن کرتا ہے۔ رب العالمین کے دربار میں حاضری کے وقت اس سے بھی زیادہ اہتمام ہونا چاہیے، اور بہتر سے بہتر لباس زیب تن کر کے دربارِ الٰہی میں حاضر ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۔(الأعراف:31) ''اے بنی آدم! عبادت کے ہر موقع پر اپنے جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کرو''۔

لباس اچھا ہو مگر سادہ ہو، تاکہ نماز میں خلل نہ ہو۔ ایسا رنگین اور نقش و نگار والا لباس جس سے نماز میں خلل ہو، یہ مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔ بعض لوگوں کے لباس پر تصویریں ہوتی ہیں، بعض کی قمیصوں پر اشتہارات ہوتے ہیں اور بعض کی ٹی شرٹوں پر کچھ الفاظ اور جملے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان چیزوں سے نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس لیے ایسا لباس پہننے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ سامنے ایک پردہ لٹک رہا تھا ۔نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پردہ یہاں سے ہٹادو، کیوں کہ اس کی تصویریں اور نقش و نگار میری نماز میں خلل پیدا کرتے رہے۔(بخاری:باب کراهية الصلاة في التصاوير:**5959**)

بعض نو جوان اس قدر چھوٹی قمیص اور ٹی شرٹ وغیرہ پہنتے ہیں کہ جب رکوع یا سجدے میں جاتے ہیں تو جسم کے وہ حصے نظر آنے لگتے ہیں جن کا چھپانا ضروری ہے۔ یہ سب لباس کے حدود اور مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔ اس سے احتراز ضروری ہے۔

2۔ دعاؤں کا اہتمام: رسول اکرم ﷺ کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب آپ ﷺ مسجد کے لیے نکلتے تو گھر سے یہ دعا پڑھتے ہوئے نکلتے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا،وَ اجْعَلْ فِي

لِسَانِیْ نُوْرًا،وَاجْعَلْ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًاوَاجْعَلْ فِی بَصَرِیْ نُوْرًاوَاجْعَلْ خَلْفِیْ نُوْرًاوَأمَامِیْ نُوْرًاوَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًاوَمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًااللّٰھُمَّ وَأعْظِمْ لِیْ نُوْرًا ۔(ابوداؤد:باب فی صلاة اللیل :1355)''اے اللہ!میرے دل کو روشن کردے۔میری زبان میں،میری سماعت میں اور میری بصارت میں روشنی پیدا کردے۔میرے آگے پیچھے اور میرے اوپر نیچے روشنی کا انتظام فرمااور میری روشنی میں اضافہ فرما''۔

اور جب مسجد میں داخل ہوں تو دایاں پیر رکھ کر یہ دعا پڑھیں:اللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ أبْوَابَ رَحْمَتِكَ ۔''اے اللہ!تو میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''۔اور مسجد سے نکلتے ہوے بایاں پیر رکھ کر یہ دعا پڑھیں:اللّٰھُمَّ اِنّیْ أسْئَلُكَ مِنْ فَضْلَكَ ۔''اے اللہ!میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں''۔(ابوداؤد:بابفیمایقوله الرجل عند دخوله المسجد:465)

3۔تحیۃ المسجد:تیسرا ادب یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نماز ادا کریں جس کو تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے۔یہ مسجد کا حق ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:اِذَا دَخَلَ أحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ أنْ یَجْلِسَ ۔(بخاری:باب اِذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین :444)''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہوتو اسے چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے''۔

4۔مسجد میں جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جائیں:اگر اگلی صفوں میں جگہ خالی ہوتو پہلے اگلی صفوں کو مکمل کریں۔احادیث میں اگلی صفوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہُ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِ الْأوَّلِ أوِالصُّفُوْفِ الْأُوَلِ ۔(صحیح الترغیب والترھیب: 493)''بے شک اللہ تعالیٰ اور فرشتے پہلی صف یا اگلی صفوں (کا اہتمام کرنے والوں) پر درود بھیجتے ہیں''۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگلی صفوں میں جگہ خالی ہونے کے باوجود پچھلی صفوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ایسے لوگ حقیقت میں اللہ اور فرشتوں کی دعا سے محروم ہوتے ہیں۔یہ چیز رفتہ

رفتہ اللہ کی ہدایت سے محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔حضرت ابوواقد اللیثیؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ ہمیں نصیحت فرما رہے تھے، اتنے میں تین آدمی داخل ہوئے، ان میں سے ایک شخص نے آگے جگہ خالی دیکھی تو وہاں آکر بیٹھ گیا، دوسرا آگے جگہ ہونے کے باوجود شرماتے ہوئے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا۔آپ ﷺ وعظ ونصیحت سے فارغ ہوکر فرمانے لگے: میں تمھیں ان تین آدمیوں کا حال بتاتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلا شخص ہدایت کا متلاشی تھا، اللہ نے اس کو ہدایت عطا کی۔ دوسرا شخص اللہ سے شرمایا تو اللہ نے بھی اس سے حیا کی اور تیسرا شخص نصیحت سے منہ موڑا تو اللہ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا''۔(نسائی: باب الجلوس حیث ینتهی به المجلس)

گویا اگلی صفوں میں جگہ ہونے کے باوجود پیچھے بیٹھنا اللہ کی رحمت سے محروم ہونا ہے۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مسجد کو تاخیر سے آتے ہیں، اور لوگوں کو تکلیف دیتے ہوئے گردنیں پھاند کر آگے آتے ہیں۔ یہ حرکت بھی آدابِ مسجد کے خلاف ہے۔ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''وہیں بیٹھ جاؤ، تم نے لوگوں کو تکلیف دی''۔(ابوداؤد: باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعة:1120)

5۔مسجد کی پاکی صفائی کا خیال رکھا جائے: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ ۔(ابوداؤد: باب اتخاذ المساجد فی الدور :455) ''اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں محلوں میں مسجد بنانے، اسے پاک صاف رکھنے اور اس کو خوش بودار کرنے کا حکم دیا ہے''۔

ایک اور حدیث میں ہے: جو شخص مسجد سے ایک تنکا بھی نکال کر باہر پھینکتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں ثواب کے طور پر لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کوئی گندگی کو دیکھ کر آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کے نامۂ

اعمال میں اس چیز کو ایک گناہ کے طور پر لکھ دیا جاتا ہے۔(ابوداؤد:بـــــاب فـــی کـنـــــس المسجد:461)

مسجد کی صفائی یہ صرف ذمہ دارانِ مسجد یا امام ومؤذن کا کام نہیں بلکہ ہر مومن کا دینی فریضہ اور اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں:ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مسجد کی اگلی دیوار پر غلاظت دیکھی۔آپ ﷺ پر یہ چیز بڑی گراں گزری۔آپ نے ﷺ خود اپنے ہاتھوں سے اس کو صاف کیا''۔ (بخاری:باب حك البزاق باليد من المسجد:407)

جو لوگ مسجد کی خدمت کرتے ہیں اور اس کی پاکی صفائی کا خیال رکھتے ہیں،ایسے لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی نظروں میں بڑے محبوب ہیں۔عہدِ نبوی میں ایک عورت مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی، اس کا اچانک انتقال ہو گیا،صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو اطلاع دیے بغیر اس کو دفن کر دیا۔جب اس کی اطلاع ہوی تو آپ ﷺ ناراض ہوے،اس کی قبر پر تشریف لے جا کر نمازِ جنازہ ادا کی،اور فرمایا:اِنَّ هٰـذِهِ الْـقُبُـوْرَ مَـمْـلُـوْءَ ـةٌ ظُـلْـمَةً عَلٰى أَهْلِهَاوَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِىْ عَلَيْهِمْ۔ (مسلم:بـاب الـصلاة على القبر :2259)''بے شک یہ قبریں مدفون لوگوں کے لیے تاریک رہتی ہیں۔میری نمازِ جنازہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو منور کر دیتا ہے''۔

6۔مسجد میں کثرت سے عبادتیں،ذکر واذکار اور تسبیح وتہلیل کرنا چاہیے:اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:فِىْ بُيُـوْتٍ أَذِنَ الـلّٰـهُ أَنْ تُـرْفَـعَ وَيُـذْكَـرَ فِيْهَـا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۔ (النور:36)''وہ چراغ ایسے گھروں میں ہے جن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے کہ ان کی قدر ومنزلت کی جائے اور ان میں صرف اسی کا نام لیا جائے،ان گھروں (یعنی مسجدوں) میں صبح وشام لوگ اس کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں''۔

جو لوگ مسجد میں،عبادتوں میں اور ذکر واذکار میں مشغول رہتے ہیں ،اللہ کی رحمت ان پر چھا جاتی ہے،ان پر چین وسکون کا نزول ہوتا ہے،فرشتے اپنے پروں سے ان کو ڈھانپ لیتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکرِ خیر ملأ اعلیٰ میں کرتا ہے‘‘۔(مسلم:باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن:7028)

یہ مسجد کے چند آداب ہیں جن کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کا تعلق مسجد سے کم زور ہوتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے وہ ان برکتوں سے محروم ہیں جو اسلاف کرام کو حاصل تھیں۔

اس وقت مسلمانوں کا مسجد سے جو تعلق ہے اس کی صحیح ترجمانی علامہ اقبالؒ نے یوں کی ہے ؎

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے　　　یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

جس دن سے مسلمانوں کا رشتہ مسجد سے کم زور ہوگیا، اس دن سے وہ اختلاف وانتشار کا شکار ہوگئے، ان میں وحدت ختم ہوگئی، دلوں میں نفرت پروان چڑھنے لگی، ایمان کم زور ہوگیا، اعدائے اسلام کا لقمۂ تر بن گئے اور ذلت ومسکنت ہمارا مقدر بن گئی۔

آج ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم مسجد کی قدر ومنزلت کو پہچانیں اور اس سے تعلق کو مضبوط کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

نماز باجماعت

اسلام کی بنیاد جن پانچ ارکان پر قائم ہے ان میں سے ایک نماز ہے۔نماز دین کا ستون اور مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی عبادت ہے۔ ہر عاقل وبالغ مسلمان پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں،جنھیں وقت مقررہ پر ادا کرنا ضروری ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا. (النساء:103)''بے شک نماز پابندئ وقت کے ساتھ مومنوں پر فرض کردی گئی ہے''۔

فرض نماز جن آداب وشرائط کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے،ان میں سے ایک جماعت کا اہتمام ہے، جس کی قرآن وحدیث میں بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے۔اجتماعیت اسلامی عبادات کی روح ہے۔اسلام کی بنیادی عبادات (نماز،روزہ،زکاۃ اور حج وغیرہ) میں اجتماعیت کا درس دیا گیا ہے۔ یہ اس دین کی خصوصیت ہے کہ اس نے مختلف الخیال لوگوں کو متحد کیا،منتشر لوگوں کو یکجا کیا اور بچھڑے ہوے لوگوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا،چناں چہ اسلام کی اسی خوبی کا ذکر کرتے ہوے فرمایا گیا: وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا. (آل عمران:103)'' اللہ نے تمھیں جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔تمھارا حال یہ تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے،لیکن اس کے فضل وکرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے''۔

اسلام چاہتا ہے کہ اتحاد واجتماعیت اس کے متبعین میں ہمیشہ قائم رہے۔اس کو قائم رکھنے کا ایک ذریعہ نماز باجماعت کا اہتمام ہے۔ جماعت کی پابندی سے مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے سے تعارف ہوتا ہے۔ان کے درمیان ایمانی اخوت مضبوط ہوتی ہے، الفت ومحبت پیدا ہوتی ہے،ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے،ایک دوسرے کے دکھ درد کو پہچاننے ،ان کے مسائل کو سمجھنے اور انھیں حل کرنے میں مدد ملتی ہے اور باہمی رنجشیں،کدورتیں اور عداوتیں دور ہوتی ہیں۔

اسی لیے احادیث میں نماز باجماعت کی بڑی فضیلت آئی ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً ۔(بخاری: باب فضل صلاة الجماعة :646)''جماعت کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز تنہا پڑھی جانے والی نماز کے مقابلے میں پچیس درجہ افضل ہے''۔ایک دوسری روایت میں ہے: ستائیس درجہ افضل ہے۔(بخاری: باب فضل صلاة الجماعة:645)

عشا اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا ثواب رات بھر قیام کرنے کے برابر بتایا گیا ہے۔حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا : مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ ۔(مسلم: باب فضل صلاة العشاء والصبح فی جماعة :1523)''جو شخص عشا کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے ،اسے نصف رات قیام کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جو فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کرے تو پوری رات قیام کرنے کا ثواب ملتا ہے''۔

نماز باجماعت کا اہتمام کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ تَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ مَشٰى إِلَى الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ فَصَلَّاهَا مَعَ النَّاسِ أَوْمَعَ الْجَمَاعَةِ أَوْ فِى الْمَسْجِدِ غَفَرَاللّٰهُ لَهُ ذُنُوْبَهُ. (مسلم:کتاب الطھارۃ،باب فضل الوضوء والصلاة عقبه :571)''جو شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر فرض نماز ادا کرنے کے لیے پیدل چل کر آئے،لوگوں کے ساتھ یا جماعت کے ساتھ یا مسجد میں نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے (صغیرہ) گناہوں کو بخش دیتا ہے''۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ !إِنِّیْ أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ ۔اے اللہ کے رسولؐ! مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے،لہذا مجھ پر اس کی سزا نافذ کیجیے۔آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا اور اس نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنی بات پھر دہرائی: اے اللہ

کے رسول ﷺ! مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے، آپ ﷺ مجھ پر کتاب اللہ کے مطابق حد جاری کیجیے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: أَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا ؟ کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی بدولت اللہ نے تمھارا گناہ معاف کر دیا ہے۔ (بخاری: کتاب المحاربین: باب إذا أقربالحد..:6823)

نماز با جماعت کا اہتمام کرتے رہنے والا شیطان کے مکر وفریب سے محفوظ رہتا ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ أَوْبَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا وَقَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةِ ۔(ابوداؤد: باب التشديد فى ترك الجماعة: 547)''اگر کسی بستی میں تین افراد ہوں اور وہ نماز کے لیے جماعت کا اہتمام نہ کرتے ہوں تو شیطان انھیں اپنے جال میں پھانس لیتا ہے۔ اس لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔ بے شک بھیڑیا، ریوڑ سے دور الگ تھلگ رہنے والی بکری کو کھا جاتا ہے''۔

نماز با جماعت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس کا اہتمام کرنے سے اللہ تعالیٰ نفاق اور نارِ جہنم سے حفاظت کرتا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَىٰ كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ ۔ (ترمذی: باب فضل التكبيرة الأولى: 241)''جو شخص چالیس دن جماعت کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی پابندی کرتے ہوئے نماز ادا کرے تو اس کے لیے دو چیزوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ ایک نفاق سے اور دوسری جہنم کی آگ سے''۔

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ایسا افضل عمل ہے کہ اس کو لکھنے اور اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے مقرب فرشتے آپس میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ایک رات میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو واضح صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا: يَا مُحَمَّدُ! هَلْ تَدْرِي فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَىٰ ؟

اے محمد! جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ (آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، جس کے سبب آسمان وزمین کی ساری چیزیں مجھ پر واضح ہوگئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہی سوال دہرایا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ان نیکیوں کے بارے میں جو گناہوں کو مٹادیتی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وَالْكَفَّارَاتُ، وَالْمُكْثُ فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ الصَّلَاةِ وَالْمَشْيُ عَلَى الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَإِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ فِي الْمَكَارِهِ ۔(ترمذی: کتاب التفسیر: باب سورة ص: 3541) گناہوں کو مٹانے والی نیکیاں یہ ہیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد (ذکرواذکار میں یا دوسری نماز کے انتظار میں) مسجد ہی میں بیٹھے رہنا، جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے پیدل چل کر جانا اور دشواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا''۔

قرآن مجید اور احادیث میں جماعت کے التزام کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ارشاد باری ہے: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۔(البقرۃ: 42) ''اور نماز قائم کرو، اور زکاۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو'' ــــــــــ اس آیت میں جمع کے صیغے کے ساتھ نماز کا حکم دیا گیا ہے اور آیت کے آخر میں ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ'' کہہ کر جماعت کی اہمیت کو مزید واضح کیا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''نماز کا حکم اور اس کا فرض ہونا تو ''وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ'' سے معلوم ہو چکا تھا، اس جگہ ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ'' کے لفظ سے نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔ (معارف القرآن: 214/1)

حضرت مالک بن حویرثؓ اپنے قبیلے کے چند افراد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیس دن تک آپ ﷺ کی صحبت میں علم حاصل کرتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا: اِرْجِعُوْا اِلٰى أَهْلِيْكُمْ فَكُوْنُوْا فِيْهِمْ وَعَلِّمُوْهُمْ وَصَلُّوْا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ ۔(بخاری: باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن: 628) ''اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ، ان کے درمیان رہ کر انھیں تعلیم دیتے رہو اور

نماز کا اہتمام کرو، جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں کا کوئی ایک اذان دے اور جو بڑا ہو وہ لوگوں کی امامت کرے''۔

اس حدیث میں غور طلب بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں ادائے نماز کا حکم دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ امامت کا حکم دے کر جماعت کا اہتمام کرنے کی ترغیب دی۔

نماز با جماعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حالتِ خوف اور حالتِ جنگ میں بھی اس کی پابندی کرنے کا حکم دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا گیا: وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ ۔(النساء:102)''اور اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں میں موجود ہو (اور جنگ ہو رہی ہو) اور تم ان کے لیے نماز قائم کرو، تو چاہیے کہ (فوج کا) ایک حصہ (مقتدی ہو کر) تمھارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار لیے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکے تو پیچھے ہٹ جائے اور دوسرا گروہ جو نماز میں شریک نہ تھا، تمھارے ساتھ شریک ہو جائے''۔

اس آیت میں اللہ کے رسول ﷺ کو حکم دیا گیا کہ حالتِ خوف اور حالتِ جنگ میں بھی جماعت کا اہتمام کریں۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نابینا صحابی تھے۔ انھوں نے اپنی مختلف پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ سے جماعت سے رخصت چاہی، کہ میں نابینا ہوں، کم زور اور بوڑھا ہو چکا ہوں، میرا گھر مسجد سے بہت دور ہے، راستہ پُر خطر ہے، کیڑے مکوڑوں کا اور درندوں کا ڈر لگا رہتا ہے، راستے میں جگہ جگہ کھجور کے اونچے اونچے درخت ہیں، اور میرا کوئی راہ بر اور راہ نما بھی نہیں جو مسجد تک میری پیشوائی کر سکے۔ ان تمام وجوہات کو سننے کے بعد آپ ﷺ نے انھیں گھر ہی میں نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ واپس ہونے لگے تو آپ ﷺ نے آواز دے کر بلایا، اور ان

سے پوچھا:هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ؟ کیا تمھیں اذان کی آواز سنائی دیتی ہے؟انھوں نے کہا:ہاں ۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو مسجد میں حاضر ہوکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا تمھارے لیے ضروری ہے۔(مسلم: باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء:1518)

بغیر عذر کے جماعت ترک کرنا درست نہیں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلَاصَلَاةَ لَهُ اِلَّامِنْ عُذْرٍ ۔(ابن ماجہ:باب التغليظ فى التخلف عن الجماعة :842)''جو شخص اذان کی آواز سنے اور نماز کے لیے مسجد میں حاضر نہ ہوتو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی ،سوائے اس کے کہ کوئی عذر ہو'' ـــــــــــ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عذر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا:اس سے مراد خوف یا بیماری ہے''۔(مستدرک حاکم)

بغیر عذر کے جماعت ترک کرنا یہ نفاق کی علامت ہے،جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْيَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْحَبْوًا . (بخاری:باب فضل العشاء فى الجماعة:657)''منافقوں پر فجر اور عشا سے زیادہ کوئی نماز بوجھ نہیں ہوتی۔اگر ان نمازوں کا اجروثواب انھیں معلوم ہوجائے تو ان کوادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوں گے،گھٹنوں کے بل چل کر ہی سہی'' ـــــــــــ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ایک شخص کا نام لے کر پوچھا:أَشَاهِدٌ فُلَانٌ ؟ کیا فلاں شخص موجود ہے؟صحابہؓ نے جواب دیا:نہیں۔پھر آپ ﷺ نے ایک اور شخص کے بارے میں پوچھا: أَشَاهِدٌ فُلَانٌ؟ کیا فلاں موجود ہے؟صحابہؓ نے جواب دیا:نہیں ۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ ۔یہ دونوں نمازیں(فجر اور عشا)منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری ہیں۔(ابوداؤد:باب فى فضل صلاة الجماعة:554)

جولوگ شرعی عذر کے بغیر جماعت چھوڑ دیتے ہیں ،اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے گھروں سمیت انھیں جلادینے کا خیال ظاہر فرمایا۔حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں،رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَیَنْتَھِیَنَّ رِجَالٌ عَنْ تَرْکِ الْجَمَاعَۃِ أَوْ لَأُحْرِقَنَّ بُیُوْتَھُمْ ۔(ابن ماجہ:باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ :844)''لوگ جماعت ترک کرنے سے باز آجائیں، ورنہ میں ان کے گھروں کو جلادوں گا''۔

جماعت کی پابندی نہیں کرنے والوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگادیتا ہے۔حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَیَنْتَھِیَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِھِمُ الْجَمَاعَاتِ أَوْ لَیَخْتِمَنَّ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ ثُمَّ لَیَکُوْنَنَّ مِنَ الْغَافِلِیْنَ ۔(ابن ماجہ:باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ :843)''لوگ جماعت ترک کرنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر وہ غافلوں میں سے ہوجائیں گے''۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حشر کے میدان میں ان لوگوں کو رسوا کرے گا، جو نماز باجماعت کی پابندی نہیں کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔ خَاشِعَۃً اَبْصَارُھُمْ تَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ وَھُمْ سٰلِمُوْنَ ۔ (القلم:42،43)''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور (کفار ومشرکین کو) سجدے کے لیے کہا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کرپائیں گے، اوران کی نظریں جھکی ہوں گی اوران پر ذلت کی چادر پڑی ہوگی اور دنیا میں جب وہ صحیح سالم تھے تو انھیں سجدے کے لیے کہا جاتا تھا (لیکن وہ سجدہ نہیں کرتے تھے)''۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: کَانُوْا یَسْمَعُوْنَ الْأَذَانَ وَالنِّدَاءَ لِلصَّلَاۃِ فَلَا یُجِیْبُوْنَ ۔(روح المعانی:29/36)'''وہ اذان کی آواز سنتے تھے، اس کے باوجود نماز کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے تھے''۔

رسول اکرم ﷺ نماز باجماعت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، یہاں تک کہ مرض الموت میں، جب کہ آپؐ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی، تب بھی آپ ﷺ مسجد میں حاضر ہوکر جماعت کے ساتھ نماز ادا

کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ان ایام کا تذکرہ کرتے ہوئے ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں: وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ نَفْسِہٖ خِفَّۃً فَخَرَجَ یُھَادِیْ بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ ۔۔(بخاری: باب الرجل یأتم بالإمام ویأتم الناس بالمأموم)''(اس دوران ایک مرتبہ) آپ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو دوصحابہ کے سہارے مسجد پہنچے''۔

انہی ایام میں ایک مرتبہ آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی۔جب افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے پہلا سوال یہ کیا: کیا لوگ نماز ادا کر چکے؟ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ نہیں،لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں،تو آپ ﷺ نے غسل کیا۔پھر مسجد جانے کے لیے اٹھنا چاہا تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی۔تھوڑی دیر بعد افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے پھر وہی سوال دہرایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ کہا گیا: نہیں، بلکہ آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔تیسری اور چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو کہلا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں''۔(بخاری: کتاب الأذان ،باب إنماجعل الإمام لیؤتم بہ :687)

صحابہ کرامؓ اور اسلافِ عظامؒ کا بھی یہی حال تھا۔نماز باجماعت کا وہ حددرجہ اہتمام فرماتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: کُنَّااِذَافَقَدْنَاالرَّجُلَ فِیْ صَلَاۃِ الْعَشَاءِ وَصَلَاۃِ الْفَجْرِ أَسَأْنَا بِہِ الظَّنَّ ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ: کتاب الصلوات،باب فی التخلف فی العشاء والفجر...)''اگر کسی شخص کو ہم فجر اور عشا کی نماز میں نہ پاتے تو اس کے بارے میں نفاق کا گمان کرتے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کل (حشر کے دن) اللہ تعالیٰ سے ایمان کی حالت میں ملے تو اسے چاہیے کہ پنج وقتہ نمازوں کی پابندی اس جگہ کرے جہاں اذان دی جاتی ہے،(یعنی مسجد میں) کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کو ہدایت کے کچھ طریقے بتلائے ہیں اور انہی سننِ ہدیٰ میں فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا بھی ہے۔اگر تم نے یہ نمازیں اپنے گھر میں پڑھ لیں، جیسے یہ جماعت سے پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے تو تمھارا شمار اپنے نبی کی سنتوں کو چھوڑنے والوں میں ہوگا۔اور اگر تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گم راہ ہو جاؤ گے۔

(اور جوشخص پورے اہتمام کے ساتھ وضو کرے) پھر مسجد کا رخ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک قد م پر ایک ایک نیکی اس کے نامہ اعمال میں درج کر دیتا ہے، اس کا ایک درجہ بڑھا دیتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیتا ہے۔ہم نے اپنے معاشرے کو ایسا پایا ہے کہ منافق کے سوا کوئی بھی شخص جماعت سے پیچھے نہیں رہتا، یہاں تک کہ بعض حضرات کو عذر اور بیماری میں دو آدمیوں کے سہارے مسجد لایا جاتا اور صف میں کھڑا کیا جاتا تھا۔(مسلم:باب صلاة الجماعةمن سنن الهدى:**1520**)

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ پچھلے چالیس سالوں سے کبھی میری جماعت فوت نہیں ہوی۔(السیر :ج**4/221**)

حضرت بشر بن حسن بصریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ انھیں ''الصفی'' کہا جاتا تھا۔انھوں نے بصرہ کی ایک مسجد میں پچاس سال تک پہلی صف میں بالالتزام نماز پڑھی۔(تہذیب التہذیب:ج**1/282**)

حضرت مصعبؒ کہتے ہیں کہ حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیرؒ نے مؤذن کی آواز سنی۔وہ نزع کے عالم میں تھے، کہنے لگے: مجھے مسجد لے چلو۔ان سے کہا گیا: آپ بیمار ہیں، آپ کے لیے عذر ہے، گھر ہی میں نماز ادا کر لیں۔کہنے لگے: میں اللہ کے داعی (مؤذن) کی آواز سنوں، پھر اس پر لبیک نہ کہوں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ان کے اصرار پر لوگ انھیں مسجد لے گئے۔وہ امام کے پیچھے (مغرب کی) نماز میں شریک ہوے۔ابھی پہلی رکعت بھی مکمل نہیں کر پائے تھے کہ سجدے کی حالت میں وفات پا گئے''۔(سیر اعلام النبلاء:ج:**5/220**)

مذکورہ آیات واحادیث اور آثار سے اسلام میں نمازِ باجماعت کی اہمیت کا بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔خود احتسابی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زندگی میں نماز باجماعت کی جیسی کچھ اہمیت ہونی چاہیے ویسی نہیں ہے۔معمولی معمولی بات پر، بلکہ بسا اوقات عذر کے بغیر بھی ہم بڑی آسانی کے ساتھ جماعت چھوڑ دیتے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم کتنا بڑا جرم کر رہے ہیں اور کیسی محرومی سے دوچار ہو رہے ہیں۔ہماری ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ نماز پڑھ لینا کافی

ہے، بھلے سے جماعت کی اور وقتِ مقرر کی پابندی نہ ہو، حالاں کہ اسلام میں پنج وقتہ نماز مقررہ وقت پر اور جماعت کے ساتھ فرض ہے، البتہ عورتیں، بچے اور عذرِ شرعی رکھنے والے مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ نماز باجماعت کی پابندی کریں اور بغیر کسی شرعی عذر کے جماعت کو ہرگز ترک نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نماز باجماعت کی اہمیت اور قدر و قیمت کو سمجھنے اور نماز باجماعت کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

نمازِ فجر کی اہمیت

نماز اسلام کا بنیادی رکن اور مذہبی شعار ہے۔ یہ کفر اور ایمان میں فرق کرنے والی چیز ہے۔ ایمان کی علامت اور مومن کی پہچان ہے۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار ہے۔ بعض نمازیں فرض ہیں جن کی ادائی ہر مومن پر لازم ہے اور بعض نفل ہیں جن کے اہتمام سے اہلِ ایمان کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔

فرض نمازوں میں نمازِ فجر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں ایک سورت کا نام ہی سورۃ الفجر ہے اور اللہ تعالیٰ نے فجر کے وقت کی قسم کھائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَالْفَجْرِ ، وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۔(الفجر:1،2)''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی''۔

قرآن مجید میں تمام فرض نمازوں کا ذکر اشارۃً کیا گیا ہے، جب کہ نمازِ فجر کا ذکر نام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۔(بنی اسرائیل:78)''نماز قائم کیجیے آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر میں (خاص طور پر زیادہ) قرآن پڑھا کیجیے''۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں: ''دُلوک'' کے معنے زوال (یعنی آفتاب ڈھلنے) کے ہیں اور ''غسق'' کے معنے تاریکی کے ہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشا کی نمازیں ہیں اور قرآن الفجر سے مراد فجر کی نماز ہے''۔(احسن البیان:788)

نمازِ فجر کی وجہ سے اس وقت کو بھی بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: بُورِكَ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا ۔(صحیح الجامع الصغیر:2841)''میری امت کے لیے اس کے صبح کے

وقت میں برکت رکھ دی گئی ہے‘‘۔

اس وقت اللہ کی جانب سے رزق تقسیم کیا جاتا ہے۔علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: نَوْمَةُ الصُّبْحِ تَمْنَعُ الرِّزْقَ لِأَنَّهُ وَقْتٌ تَنْقَسِمُ فِيهِ الْأَرْزَاقُ ۔’’صبح کے وقت سونے سے آدمی رزق سے محروم ہوجاتا ہے، کیوں کہ اس وقت اللہ کے دربار سے رزق تقسیم کیا جاتا ہے‘‘۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے ایک فرزند کو صبح کے وقت سوتے ہوے دیکھا تو ڈانٹ کر بیدار کیا اور فرمایا:أَتَنَامُ فِي السَّاعَةِ الَّتِي تُقْسَمُ فِيهَا الْأَرْزَاقُ ۔’’کیا تم ایسے وقت میں سو رہے ہو جس وقت روزی تقسیم ہوتی ہے؟۔(زادالمعاد:ج**4/26**)

یہی وہ وقت ہے جس میں آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا: إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۔(**78**)’’بے شک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے‘‘۔’’یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ دن کے اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے‘‘۔ (تفسیر احسن البیان:**788**)

فجر کی نماز کا ثواب غیر معمولی ہے۔اس کے اجر وثواب کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ فجر سے پہلے پڑھی جانے والی دو رکعت کے اجر وثواب کا ذکر کرتے ہوے آپ ﷺ نے فرمایا:رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ۔(مسلم:باب رکعتی سنة الفجر..:**1721**)’’فجر کی دو رکعت سنت دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے‘‘۔جب سنت کا یہ ثواب ہے تو سوچا جاسکتا ہے کہ اس وقت ادا کی جانے والی فرض نماز کا ثواب کتنا بڑا ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ نے فجر کی نماز کا ثواب دوسری بڑی بڑی عبادتوں کے برابر قرار دے کر اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے۔تہجد بڑی فضیلت والی نماز ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ ۔ (مسلم:باب فضل صلاة العشاء والفجر فی جماعة:**1523**)’’جو شخص عشا کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے تو اس کو آدھی رات قیام کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جو فجر کی نماز بھی جماعت کے

ساتھ پڑھے تو اس کو پوری رات تہجد پڑھنے کا ثواب ملتا ہے''۔

حج اسلام کا ایک اہم رکن اور افضل عبادت ہے، جو صرف مال داروں پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ جو شخص نمازِ فجر جماعت کے ساتھ ادا کرے، اور مسجد ہی میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول رہے، پھر سورج طلوع ہونے کے بعد (اشراق کی) دو رکعت ادا کرے تو وہ حج اور عمرے کے اجر کا مستحق ہوتا ہے۔(ترمذی:باب ذکر مایستحب من الجلوس فی المجلس..:589)

نمازِ فجر کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس کے اہتمام سے مومن بندہ اللہ کی حفاظت میں چلا جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ۔(مسلم:باب فضل العشاء والصبح فی جماعة:1525)''جو شخص صبح کی نماز ادا کرے وہ اللہ کے ذمے میں ہے''۔

جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرے، اسے نہ کوئی تکلیف پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اس کا سارا دن سکون و اطمینان سے گزرے گا۔

نمازِ فجر کا اہتمام جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لَنْ يَّلِجَ النَّارَ رَجُلٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۔(مسلم:باب فضل صلاتی الصبح والعصر..:1468)''وہ شخص ہرگز جہنم کی آگ کا مستحق نہیں ہوگا جو سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے کی نمازوں کا اہتمام کرتا ہے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے:مَنْ صَلَّى الْبُرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔(بخاری:باب فضل صلاة الفجر:574)''جو شخص ان دو ٹھنڈے وقتوں (فجر اور عشا) کی نمازوں کا اہتمام کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا''۔

نمازِ فجر کا اہتمام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ حشر کے میدان میں نور اور روشنی عطا فرمائے گا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(صحیح الترغیب والترھیب:باب الترغیب فی صلاة العشاء والصبح خاصة:425)''رات کی تاریکی

میں پیدل چل کر مسجد کی طرف جانے والوں کو قیامت کے دن مکمل روشنی کی بشارت سنایئے‘‘۔

فرشتے ایسے لوگوں کی تعریف اللہ کے دربار میں کرتے ہیں جو نماز فجر کا اہتمام کرتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلَائِکَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَائِکَةٌ بِالنَّهَارِ فَیَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا مَعَکُمْ ،فَیَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَأَعْلَمُ بِهِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ ـفَیَقُوْلُوْنَ :تَرَکْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَأَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ ـ(بخاری:باب فضل صلاةالعصر :555)’’تمھارے پاس دن اور رات کے فرشتے باری باری آتے ہیں۔اور فرشتوں کی دونوں جماعتیں فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔جب فرشتے رات گزار کر اللہ کے دربار میں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرتا ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟ وہ جواب دیتے ہیں: جب ہم ان سے رخصت ہوئے تو نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس پہنچے تب بھی وہ نماز میں مصروف تھے‘‘۔

اس حدیث میں دو باتیں قابلِ غور ہیں جن سے نمازِ فجر کی اہمیت واضح ہوتی ہے:

1۔ یہ سوال اللہ تعالیٰ دن اور رات کے فرشتوں میں سے صرف ان فرشتوں سے کرتا ہے جو رات گزار کر فجر کی نماز کے بعد اللہ کے دربار میں پہنچتے ہیں۔

2۔ یہ فرشتے عصر کی نماز میں پہنچے تھے، جب وہ جواب دیتے ہیں تو نمازِ عصر کی حاضری کا ذکر پہلے کرنے کی بجائے نمازِ فجر کی حاضری کا ذکر پہلے کرتے ہیں۔’’ہم انھیں اس حال میں چھوڑ آئے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے‘‘۔

سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں تھے، چودھویں تاریخ تھی، آپ ﷺ نے چاند کی طرف دیکھا اور صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تمھیں اس چاند کو دیکھنے میں کسی قسم کی دشواری ہو رہی ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَاتَرَوْنَ هٰذَا لَاتُضَامُّوْنَ أَوْ لَا تُضَاهُوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ فَاِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّاتَغْلِبُوْاعَلٰی صَلَاةٍ

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَالَ: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۔(بخاری:باب فضل صلاۃ الفجر:573)''تم قیامت کے دن اپنے رب کو ویسا ہی دیکھو گے جیسے آج اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔پھر آپ ﷺ نے دیدارِالٰہی کا نسخہ بتاتے ہوئے فرمایا: سورج طلوع ہونے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز کا ضرور اہتمام کرو''۔

نمازِ فجر کا اہتمام کرنے والوں کے لیے جہاں یہ فوائد ہیں، وہیں اس سے سستی اور غفلت کرنے والوں کے لیے بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں:

1۔نمازِ فجر سے سستی کرنے والوں پر شیطان غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا گیا جو نمازِ فجر ترک کر کے دن چڑھے تک سوتا رہا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ذَاكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِيْ أُذُنِهِ ۔(بخاری:باب صفة اِبلیس و جنوده:3270)''یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے''۔

2۔نمازِ فجر ترک کرنے پر بندے کو ایک سزا یہ دی جاتی ہے کہ سارا دن اس پر سستی چھائی رہتی ہے۔صحیح بخاری میں حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''جب بندہ سو جاتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پچھلے حصہ میں تین گرہ لگا دیتا ہے۔ہر گرہ لگاتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ ابھی رات بہت طویل ہے سو جاؤ۔اگر بندہ بیدار ہوتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔پھر وہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب نماز ادا کرتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ایسا شخص دن بھر چست رہتا ہے اور اس کا سارا دن پرسکون گزرتا ہے، اور اگر وہ بیدار نہ ہو اور نماز ادا نہ کرے تو ایسا شخص بڑا بدبخت ہے۔اس پر سارا دن سستی چھائی رہتی ہے''۔(بخاری:باب عقد الشیطان علی قافية:1142)

3۔نمازِ فجر باجماعت ادا نہ کرنے کی وجہ سے بندۂ مومن کے دل میں نفاق جنم لینے لگتا ہے۔حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے نمازِ فجر پڑھائی۔نماز سے فارغ

ہونے کے بعد آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا فلاں شخص موجود ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا: نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے کئی اور افراد کے بارے میں دریافت کیا تو صحابہ کرامؓ نے نفی میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ هَـاتَيـنِ الصَّلَاتَيَنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ ۔(ابوداوٗد: باب فی فضل صلاۃ الجماعۃ: 554) ''یہ دونوں نمازیں (فجر اور عشا) منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر ہم کسی کو فجر کی نماز سے غائب پاتے تو اس کے بارے میں برا گمان کرتے یعنی ایسے شخص کو منافق سمجھتے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ: بـاب فـی التخلف فی العشاء والفجر ...)

4۔ ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب دیا جاتا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرامؓ سے دریافت کرتے کہ کیا تم میں کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ صحابہ کرامؓ اپنے اپنے خواب کا ذکر کرتے اور آپ ﷺ ان کی تعبیر بیان کرتے۔ ایک مرتبہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں سو رہا تھا، میرے پاس دو فرشتے آئے، انھوں نے مجھے بیدار کیا اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں ایک شخص لیٹا اور دوسرا کھڑا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑا پتھر تھا، اس نے اس پتھر کو لیٹے ہوے شخص کے سر پر اس زور سے دے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور پتھر دور جا گرا۔ وہ شخص دوڑتا ہوا گیا اور پتھر لے آیا۔ اس اثنا میں اس شخص کا سر صحیح سالم ہو گیا، گویا اس پر کوئی چوٹ ہی نہ آئی ہو۔ پھر اس نے پتھر اس شخص کے سر پر دے مارا، جس کی وجہ سے اس کا سر پھٹ گیا اور پتھر دور جا گرا۔ یہ عمل مسلسل جاری تھا۔ آپ ﷺ کو بڑی حیرت ہوی۔ آپ ﷺ نے دونوں سے دریافت کیا کہ اس شخص کو اتنی بھیانک سزا آخر کیوں دی جا رہی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''یہ شخص قرآن مجید کا حافظ تھا مگر قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا تھا اور فرض نماز چھوڑ کر سو جایا کرتا تھا''۔ (بخاری: بـاب تـعبیـر الـرؤیـا بعد صلاۃ الصبح: 7047)

نمازِ فجر کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے اور اس کی ادائی میں سستی اور غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ اللہ کے

رسول ﷺ اس نماز کا حد درجہ اہتمام کیا کرتے تھے۔حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ اسلامی لشکر حنین کی جنگ سے واپس ہو رہا تھا۔رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا۔سب پر نیند غالب آ رہی تھی۔آپ ﷺ نے راستے میں پڑاؤ کا ارادہ کیا۔حضرت بلالؓ سے کہہ دیا کہ بیدار رہو،نماز کے وقت سب کو جگاؤ۔سب سو گئے ۔حضرت بلالؓ نماز میں مشغول ہو گئے ۔صبح ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔اپنی سواری سے ٹیک لگائے انتظار کرتے رہے۔اچانک آنکھ لگ گئی اور نیند غالب آ گئی۔نہ وہ نماز کے وقت بیدار ہو سکے،نہ اللہ کے رسول ﷺ اور نہ کوئی اور صحابی ، یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر گیا۔جب سورج کی شعاعیں چہرے پر پڑیں تو آپ ﷺ گھبرا کر بیدار ہوے ۔حضرت بلالؓ کو بیدار کیا اور فرمایا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ بلالؓ نے معذرت کرتے ہوے فرمایا:أَخَذَ بِنَفْسِيُ الَّذِيُ أَخَذَ بِأَبِيُ أَنْتَ وَأُمِّيُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! بِنَفْسِكَ ’’اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ بیدار رہنے کی میں نے پوری کوشش کی ،اس کے باوجود نیند مجھ پر غالب آ گئی۔ مجھے اس ذات نے سلا دیا جس نے آپ ﷺ کو سلا دیا تھا‘‘۔آپ ﷺ نے صحابہؓ کو وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا اور کچھ دور جانے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ نماز ادا کی۔(مسلم: باب قضاء الصلاة الفائتة..:**1592**)

زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ آپ کی ﷺ نماز فوت ہوگئی تھی ،جس کا آپ ﷺ کو بے حد افسوس ہوا۔اس واقعہ پر غور کریں کہ آپ ﷺ نے نماز وقت پر ادا کرنے کے لیے کس قدر اہتمام کیا، جنگ کی تھکان کے باوجود یہ گوارا نہیں کیا کہ نماز قضا ہو۔نماز وقت پر ادا کرنے کے لیے حضرت بلالؓ کو متعین کیا کہ وہ وقت ہونے پر بیدار کریں۔کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارے پاس گھڑی اور موبائیل فون جیسے نئے نئے آلات موجود ہیں،جن کی مدد سے ہم نماز کے لیے وقت پر بیدار ہو سکتے ہیں،اور نماز با جماعت آسانی سے ادا بھی کر سکتے ہیں،مگر ہماری سستی اور غفلت کی انتہا ہے کہ ہم اس طرف توجہ نہیں دیتے۔

نماز فجر کی اہمیت کے پیش نظر صحابیات مسجد میں حاضر ہو کر جماعت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کیا کرتی تھیں،حالانکہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونا اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا عورتوں کے لیے

ضروری نہیں۔

جو لوگ محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے نمازِ فجر میں حاضر نہیں ہوتے، اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں ان کے گھروں سمیت جلا دینے کی خواہش ظاہر فرمائی۔

ہماری بنیادی کم زوری یہ ہے کہ ہم رات دیر تک دوست احباب کے ساتھ گپ شب میں، یا فضول کاموں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ یا پھر ٹی وی اور انٹرنیٹ پر پروگرام دیکھنے میں مصروف رہتے ہیں، یا پھر **Face book** اور **Whats App** پر دوست احباب سے چاٹنگ کرنے میں مشغول رہتے ہیں، جس کی وجہ سے فجر کی نماز کے لیے بیدار ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ عشا کی نماز کے بعد جلد سو جایا کرتے تھے تا کہ عبادت کرنے میں کوئی خلل نہ ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نمازِ فجر کی اہمیت کو سمجھنے اور وقت پر جماعت کے ساتھ نمازوں کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

نفاق اور منافقین

جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر ان کی تعلیمات کی صداقت کو تسلیم کرتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے تو اسے مومن کہا جاتا ہے۔ایمان کا تعلق زبان ،دل اور اعضا وجوارح سے ہے۔یعنی دل سے اس بات کی تصدیق کرنا کہ اسلام ایک سچا دین ہے،زبان سے اس کا اقرار کرنا اور پھر اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا۔

کوئی شخص زبان سے اللہ اور اس کے رسول کا اقرار تو کرے اور ان کی تعلیمات پر عمل بھی کرے،مگر دل سے ان کی تصدیق نہ کرے تو ایسے شخص کو منافق کہتے ہیں۔

نفاق ،یہ کفر سے زیادہ خطرناک ہے،بالکل اُسی طرح جس طرح کھلے دشمن سے زیادہ خطرناک چھپا دشمن ہوتا ہے۔اسلام اور مسلمانوں کو ہر دور میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاری سے کہیں زیادہ نقصان منافقین سے پہنچا۔ 3ھ میں جب آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے کفار اور مشرکین مکہ سے نکل چکے ہیں تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر؟اکثریت کی رائے تھی کہ مدینہ کے باہر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔آپ ﷺ نے اس مشورہ کو پسند کیا۔منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت یہ کہہ کر بیچ راستہ سے واپس ہو گیا کہ محمد ﷺ نے ہمارا مشورہ قبول نہیں کیا۔

جنگ خندق میں کفار و مشرکین دس ہزار کے کثیر لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوے۔ظاہری اسباب کے تحت مسلمانوں کے پاس ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی ،اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟باہمی مشورے سے طے ہوا کہ مدینہ کے اطراف خندق کھودی جائے ،تا کہ دشمنوں سے جنگ کرنے کی نوبت نہ آئے۔اس جنگ میں مسلمانوں کی پریشانی کا جو عالم تھا اس کا بیان قرآن مجید میں ان الفاظ میں آیا ہے:إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ

✦✦✦

الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۔(الأحزاب: 10،11)''جب دشمن تم پر چڑھ آئے، تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے۔اور جب آنکھیں پتھرا رہی تھیں، اور دل حلق میں آ رہے تھے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں مختلف قسم کے گمان کر رہے تھے۔اس وقت مومنین خوب آزمائے گئے اور نہایت سختی سے جھنجھوڑ دیے گئے''۔

ان سنگین حالات میں مدینہ کے اندر موجود منافقوں نے دھوکا دیا اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا، آپس میں کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ تو محض ایک فریب ہے۔بعض حیلے بہانے بنانے لگے کہ ہمیں جنگ سے چھٹی دے دی جائے، کیوں کہ ہمارے گھر کھلے ہیں، ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں۔اور کچھ دوسروں کو ورغلانے لگے کہ میدانِ جنگ چھوڑ دو۔اب جنگ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

جنگِ بنوالمصطلق سے واپسی کے وقت ان شر پسندوں نے موقع پا کر ام المومنین حضرت عائشہؓ پر بدکاری کا الزام لگایا اور مدینہ میں اس کا خوب پروپیگنڈا کیا۔

جب کبھی موقع ملا منافقوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور ان کے درمیان پھوٹ پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔کسی جنگ کے موقع پر ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان کچھ ناچاقی ہو گئی۔مہاجر صحابی نے انصاری صحابی کو ایک طمانچہ دے مارا۔انصاری صحابی نے انصار کو مدد کے لیے پکارا تو مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی۔قریب تھا کہ فریقین کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی۔اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور کو رفع دفع کرایا۔پھر فرمایا:مَابَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ، دَعُوْهَافَإِنَّهَامُنْتِنَةٌ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ:3155)''اسلام لانے کے بعد یہ جاہلیت کے نعرے کہاں سے آ گئے۔ان جاہلی نعروں سے دور رہو، کہ کفر کی بُو آ رہی ہے''۔

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں منافقوں نے اسلامی مملکت میں بہت انتشار پھیلایا۔کچھ شر پسندوں نے نبوت کا دعوی کیا، کچھ لوگوں نے ارتداد کا راستہ اختیار کیا اور ایک بڑی تعداد نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ان منافقوں نے بڑے بڑے فتنے برپا کیے، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔

منافقین کی سازشوں کی وجہ سے حضرت علیؓ کے دور خلافت میں مسلمانوں کے درمیان تین بڑی بڑی جنگیں ہوئیں۔

اس کے بعد بھی تاریخ کے ہر دور میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش منافقین کرتے رہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِيْ مِنْ بَعْدِيْ مُنَافِقٌ عَلِيْمُ اللِّسَانِ ۔ (صحیح الجامع الصغیر: 1556) ''میرے بعد مجھے اپنی امت کے لیے سب سے زیادہ خطرہ منافقین سے ہے، جو اللہ اور رسول کے نام پر اسلامی تعلیمات میں تحریف کریں گے۔ اور اسلامی تعلیمات کا غلط مفہوم لوگوں کے سامنے بیان کریں گے''۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں منافقین اور ان کے اوصاف کا ذکر مختلف مقامات پر کیا گیا ہے اور بڑی تفصیل سے ان کی حقیقت واضح کی گئی ہے، کیوں کہ روے زمین پر منافقین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قرآن مجید میں تقریبا 17 سورتیں ایسی ہیں جن میں منافقوں کا تفصیلی ذکر آیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ان کی روشنی میں اپنا جائزہ لیں اور ان کم زوریوں سے بچنے کی پوری کوشش کریں جو منافقین کی پہچان ہیں۔

منافقین کے بعض اوصاف یہ ہیں:

1۔ آزمائش کے وقت دین پر ثابت قدم نہ رہنا: ایمان لانے کے بعد آزمائش ضروری ہے۔ آزمائش حقیقت میں مومن اور منافق کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے۔ فرمایا گیا: وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِيْنَ ۔ (العنکبوت: 11) ''اور اللہ (آزمائش کے ذریعے) ضرور ان لوگوں کو معلوم کر کے رہے گا جو صادق الایمان ہیں، اور وہ یقیناً منافقوں کو بھی جانے گا''۔

مومن آزمائش کے وقت صبر و ثبات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جب کہ منافق آزمائش کے موقع

پر بےصبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا:وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰه ۔(العنکبوت:10)''اور کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پس جب اللہ کی راہ میں انھیں تکلیف پہنچتی ہے، تو انسانوں کی جانب سے آزمائش کو اللہ کے عذاب کے مانند سمجھ لیتے ہیں''۔

2۔اسلامی تعلیمات میں شک کرنا: اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ انھیں اسلامی تعلیمات کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہوتا:إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا۔ (الحجرات:15)''بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں مبتلا نہیں ہوئے''۔اس کے برعکس منافقین کے بارے میں فرمایا گیا:إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۔(التوبۃ:45) ''آپ سے اجازت صرف وہ لوگ چاہتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں، پس وہ اپنے اسی شک میں سرگرداں ہیں''۔

جدید تعلیم اور مغربی تہذیب کی وجہ سے آج کئی مسلمان ایسے ہیں جنھیں اسلامی تعلیمات کے بارے میں شک ہے۔وہ اللہ کے وجود پر شک کرتے ہیں، قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر انھیں شک ہے اور آخرت کے دن کے بارے میں انھیں یقین نہیں۔یہ نفاق کی علامت ہے۔اس سے بچنا چاہیے۔

3۔اللہ اور اس کے رسول کا اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانا: منافقین کے بارے میں فرمایا گیا:وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۔(التوبۃ:66)''اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو (ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟) تو یہ ضرور جواب میں کہیں گے: ہم نے یوں ہی جی بہلانے کو ایک بات چھیڑ دی تھی اور ہنسی مذاق کرتے تھے:''تم (ان سے) کہو: کیا تم اللہ کے ساتھ، اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟

جن مجلسوں میں اللہ اوراس کے رسول کا یا اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جارہا ہو، ان میں شریک ہونا بھی نفاق کی علامت ہے، اسی لیے اہل ایمان کو ایسی مجلسوں سے دور رہنے کی تعلیم دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذاً مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۔(النساء:140)''اور اللہ قرآن مجید میں تمھارے لیے اتار چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے، اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے، تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ کفار اس کے علاوہ کوئی اور بات کرنے لگیں، ورنہ تم انہی جیسے ہو جاؤ گے، بے شک اللہ تمام منافقین اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے''۔

4۔عبادتوں میں سستی اور کاہلی بھی نفاق کو جنم دیتی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالٰى ۔(النساء:142)''بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، اور وہ انھیں دھوکا میں ڈالنے والا ہے، اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہل بن کر کھڑے ہوتے ہیں''۔

اسی لیے عبادتوں میں سستی اور غفلت برتنے والوں کے لیے سخت وعید سنائی گئی۔فرمایا گیا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ۔ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۔(الماعون:6)''پس ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں''۔

5۔کفار اور مشرکین سے دوستی: اہلِ ایمان کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں ہی کو اپنا دوست بنائیں۔مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار ومشرکین اور یہود ونصاری کو دوست بنانا نفاق کی علامت ہے۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دورِ حاضر میں مسلمانوں کا کوئی مقام نہیں۔عزت اور سربلندی حاصل کرنے کے لیے کفار اور مشرکین سے دوستی کرنا ضروری ہے۔ایسے لوگوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔فرمایا گیا: بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَاباً أَلِيماً۔ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعاً ۔(النساء:139،138)''آپ

منافقین کو خوش خبری دے دیجیے کہ بے شک ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۔(وہ منافق)جو مسلمانوں کو چھوڑ کرمنکرینِ حق کو اپنا رفیق اور مددگار بناتے ہیں (اور مسلمانوں کی دوستی پر مسلمانوں کے دشمنوں کوترجیح دیتے ہیں) تو کیا وہ چاہتے ہیں ان کے پاس عزت ڈھونڈیں؟(اگر ایسا ہی ہے) تو (یادرکھیں) عزت تو اللہ کے اختیار میں ہے‘‘۔

6۔غیر اسلامی تعلیمات کو ترجیح دینا: اسلام ایک مکمل دین اور کامل شریعت ہے۔اس میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق راہ نمائی موجود ہے۔ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین اور دنیا کے ہر معاملے میں اسلام سے رہ نمائی حاصل کرے۔اسلامی تعلیمات پر دوسری تعلیمات کو ترجیح دینا اہلِ نفاق کا شیوہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَحَاكَمُوْا إِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ أُمِرُوْا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهِ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالاً بَعِيْداً۔ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْداً ۔(النساء:61،60)’’کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ آپ پر اتاری گئی اور آپ سے پہلے اتاری گئی کتابوں پر ایمان لے آئے ہیں ، (لیکن) چاہتے ہیں کہ غیر اللہ سے (اپنے مقدمات کا) فیصلہ کرائیں ، حالانکہ انھیں اس (طاغوت) کے انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور شیطان انھیں راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے‘‘۔

7۔منافقین کی چار بڑی علامتیں: اللہ کے رسول ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: آيَةُ الْمُنَافِقُ ثَلَاثٌ ،إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا ائْتُمِنَ خَانَ ۔(ترمذی: باب علامة المنافق :2840)’’منافق کی تین علامتیں ہیں،بات کرے تو جھوٹ بولے،وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے‘‘۔اور ایک حدیث میں ہے کہ جب جھگڑے کی نوبت آئے تو بدزبانی پر اتر آئے۔

نفاق جتنا بڑا مرض ہے ،اس کی سزا بھی اتنی ہی زیادہ بھیانک ہے۔ حشر کے میدان میں منافقوں کو رسوا کیا جائے گا۔ جب لوگوں کے درمیان جنت اور جہنم کا فیصلہ ہوجائے گا، جنت کا راستہ جہنم پر سے گزرے گا ،اور ہر جنتی کو لازماً جہنم کے اس راستے پر سے گزرنا ہوگا جس کو پل صراط کہا جاتا ہے۔ یہ راستہ سخت تاریک ہوگا، وہاں اعمالِ صالحہ کا نور ہی کام آئے گا۔ جس قدر ایمان پختہ ہوگا اور نیک اعمال زیادہ ہوں گے، اسی قدر روشنی بھی زیادہ ہوگی۔ منافق بھی چوں کہ دنیا میں اہل ایمان کے ساتھ تھے وہاں بھی ان کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں گے، تاکہ ان کی روشنی میں اپنا سفر طے کرسکیں، وہ مومنوں سے درخواست کریں گے کہ ذرا ہمارا بھی انتظار کرلو، تاکہ تمھاری روشنی سے فائدہ اٹھا کر ہم بھی کچھ آگے بڑھ سکیں اور تمھارے ساتھ چل سکیں۔ اہل ایمان ان سے کہیں گے کہ واپس اس مقام پر جاؤ جہاں یہ نور تقسیم ہورہا ہے، وہاں جا کر اپنا نور تلاش کرو۔(الحدید:13)

مومن اور منافقین کے درمیان گفتگو کا یہ سلسلہ جاری ہوگا کہ ان کے درمیان ایک دیوار چُنی جائے گی جو جنت اور جہنم کے درمیان حدِ فاصل کا کام دے گی۔

دوسرا بھیانک عذاب ان منافقین کو یہ دیا جائے گا کہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں انھیں جھونک دیا جائے گا۔ فرمایا گیا: إِنَّ الْـمُنَافِقِيْنَ فِيْ الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔(النساء:145) وہاں سب سے زیادہ عذاب ہوگا اور یہ کافروں کے عذاب سے بھی زیادہ سخت ہوگا، کیوں کہ کافر اپنے دین وایمان کے معاملے میں کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔ جب کہ منافق ،کافروں اور مسلمانوں دونوں کو دھوکے میں رکھ کر ان سے مفادات حاصل کرتا ہے یا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس مہلک اور خطرناک بیماری سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرے، کیوں کہ یہ مرض غیر شعوری طور پر اور غیر محسوس طریقے سے مومن کے دل میں داخل ہوجاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں منافقین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِيْ الْأَرْضِ قَالُوْا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ أَلا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلَـكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔(البقرۃ:12،11) ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کی) زمین پر فساد نہ پھیلاؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ اصل میں ہم تو اصلاح

کرنے والے ہیں۔مومنو! ہوشیار رہو، بے شک یہی لوگ فساد برپا کرنے والے ہیں، لیکن سمجھ نہیں رہے ہیں''۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے منافقین کے کچھ اوصاف بیان کیے، پھر فرمایا: وَاِنْ صَامَ وَ صَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ ۔(**مسلم**:باب بیان خصال المنافق :**222**) ''یہ صفات جس کے اندر بھی پائی جائیں وہ منافق ہے ،اگرچہ وہ روزہ رکھے،نماز پڑھے اور یہ دعوی کرے کہ میں مسلمان ہوں''۔یعنی نفاق غیر محسوس طریقے سے انسان کے دل میں داخل ہوجاتا ہے۔اس لیے اہلِ ایمان کو ہمیشہ اس سے متنبہ رہنا چاہیے اور کبھی اس سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے ۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: مَاخَافَهُ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا أَمِنَهُ اِلَّا مَنَافِقٌ ۔''مومن کو ہمیشہ اس بات کا اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں نفاق اس کے اندر داخل نہ ہوگیا ہو، جب کہ منافق ہمیشہ اس سے بے خوف رہتا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نفاق سے ہمیشہ پناہ مانگتے تھے اور اس سے بچنے کی فکر کیا کرتے تھے ۔حضرت جبیر بن نفیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداءؓ کو نماز میں تشہد کے بعد کثرت سے نفاق سے پناہ مانگتے ہوے سنا۔میں نے پوچھا: اے ابوالدرداء! آپؓ کو نفاق کا خدشہ کیسے؟(آپ تو صحابیِ رسول ہیں)۔حضرت ابوالدرداءؓ نے جواب دیا: دَعْنَا عَنْكَ، دَعْنَا عَنْكَ۔اِنَّ الرَّجُلَ لَيَقْلِبُ عَنْ دِيْنِهٖ فِی السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ فَيَخْلَعُ عَنْهُ ۔(اصلاح القلوب) ''ان باتوں کو چھوڑ دو، کیوں کہ آدمی لمحہ بھر میں دین سے پھر جاتا ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے''۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو اللہ کے رسول ﷺ نے منافقین کے نام بتلا دیے تھے۔آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ حضرت حذیفہؓ سے کہا کرتے تھے: أُنْشِدُكَ اللّٰهَ ،أَمِنْهُمْ أَنَا؟ قُلْتُ: :لَا،وَلَا أُبَرِّئُ أَحَدًا بَعْدَكَ ۔(أضواء علی السنة المحمدیة) ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، یہ بتاؤ کہ کیا اس میں میرا بھی نام ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں۔آپؓ کے بعد میں کسی کے متعلق کچھ نہیں کہوں گا''۔

ابن ابی ملیکہؒ کبارِ تابعین میں سے تھے، وہ فرماتے ہیں: أَدْرَكْتُ ثَلَاثِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ

النَّبِیِّ ﷺ کُلُّھُمْ یَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰی نَفْسِہٖ ۔(اصلاح القلوب)’’میں نے تقریباً تیس صحابہؓ سے ملاقات کی،ان میں سے ہر صحابی اپنے بارے میں نفاق کا خدشہ ظاہر کرتے تھے‘‘۔

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں: مَا فِی الْقُرْآنِ آیَۃٌ أَخْوَفُ عِنْدِیْ مِنْ ھٰذِہٖ :وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْآخِرِوَمَاھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۔’’یعنی کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں،مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مومن نہیں‘‘۔

حضرت ابوایوب السختیانیؒ فرماتے ہیں: کُلُّ آیَۃٍ فِی الْقُرْآنِ فِیْھَا ذِکْرُالنِّفَاقِ أَخَافُھَا عَلٰی نَفْسِیْ ۔’’قرآن کی جس آیت میں بھی نفاق کا ذکر ہو، مجھے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں میں اس کا مصداق نہ ہوں‘‘۔

حضرت معاویہ بن قرۃ فرماتے ہیں: کَانَ عُمَرُ یَخْشَاہُ وَآمَنَہُ أَنَا ؟ کہ حضرت عمرؓ نفاق سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے، میں کیسے اس سے بے خوف رہ سکتا ہوں؟۔(اصلاح القلوب)

یہ قرونِ اولی کے واقعات ہیں،اگر اُس دور میں نفاق کے سلسلے میں کبارِ صحابہ اور تابعین کا یہ حال تھا تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں کس قدر اس سے خوف نہیں کھانا چاہیے۔موجودہ دور میں جب کہ ہر طرف نفاق کے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں،اور حد تو یہ ہے کہ ان کی سنگینی کا احساس بھی ہمارے دلوں سے نکل چکا ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دوسروں پر نفاق کا فتوی تو دیتے ہوئے نظر آتے ہیں،مگر کبھی ہمیں ذاتی احتساب کی توفیق نہیں ہوتی۔ہم ایسے مطمئن ہیں جیسے نفاق ہمیں چھو بھی نہیں سکتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن وحدیث میں نفاق کی جو علامتیں بتائی گئی ہیں،بار بار انھیں ذہن میں تازہ کرتے رہیں اور عملی زندگی میں ان سے بچنے کی کوشش کریں۔اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق کے مرض سے محفوظ رکھے۔آمین ✦✦✦

امن وسکون کے ذرائع

موجودہ دور تاریخ کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے۔ ہر روز نت نئ ایجادات سے دنیا آشنا ہوتی جارہی ہے۔زندگی گزارنے کے ایسے ایسے ساز وسامان انسان کو حاصل ہو چکے ہیں جو پچھلے زمانے میں میسر نہیں تھے۔آج انسان سڑکوں پر بجلی کی طرح دوڑ رہا ہے، ہواؤں میں پرندوں کی طرح اڑ رہا ہے، پانی میں مچھلیوں کی طرح تیر رہا ہے،سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے، یہاں تک کہ آسمان پر کمندیں ڈال رہا ہے ۔ان تمام ترقیات کے باوجود وہ اب بھی اپنی زندگی میں خلامحسوس کرر ہا ہے۔موجودہ دور کے انسان کوسب کچھ حاصل ہے،مگر وہ جنسِ گراں مایہ،جس کا وہ متلاشی ہے، اب تک اسے نہیں مل سکی۔وہ ہے دل کا سکون وقرار۔

دل کا سکون اور اطمینانِ قلب اللہ کی بڑی نعمت ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے گزری ہوی قوموں پر کیے گئے جن انعامات واحسانات کا ذکر کیا ہے،ان میں سے ایک سکون واطمینان ہے۔قوم ثمود کے بارے میں فرمایا گیا: وَكَانُوا يَنحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتاً آمِنِينَ. (الحجر:**82**)''اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے کہ امن میں رہیں''۔

قوم سبا پر کیے گئے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيُ بَارَكْنَا فِيُهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيُهَا السَّيْرَ سِيرُوْا فِيُهَا لَيَالِيَ وَأَيَّاماً آمِنِيْنَ . (سبا:**18**)''اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور آباد رکھی تھیں جو نظر آتی تھیں،اور ان میں چلنے کی منزلیں مقرر کر دی تھیں، (اور کہہ دیا تھا کہ) تم لوگ ان بستیوں میں بے خوف وخطر چلتے پھرتے رہو''۔

اس نعمت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم سے اپنی بیوی اور دودھ پیتے بچے کو مکہ کے بے آب وگیاہ جنگل میں چھوڑا تو یوں دعا کی: رَبِّ

اجْعَلْ هَـــذَا بَلَداً آمِناً وَّارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ . (البقرۃ:126) ''اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کا رزق دے''۔

جس کو اس دنیا میں سکون واطمینان نصیب ہو وہ دنیا کا سب سے زیادہ خوش نصیب آدمی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًافِيْ سِرْبِهِ مُعَافًى فِيْ جَسَدِهِ وَعِنْدَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَاحِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا ۔(ترمذی:باب قول النبی ﷺ من أصبح منکم آمنا:2517) ''تم میں سے جو اپنے گھر میں امن وسکون کے ساتھ صبح کرے، صحت اور تندرستی کی دولت بھی اسے نصیب ہو اور اس کے پاس ایک دن کی روزی ہو، تو گویا دنیا کی ساری نعمتیں اس کے حصے میں آ گئیں''۔

سکون واطمینان کے متلاشی انسان نے اسے ہر جگہ تلاش کیا۔ کتابوں اور رسالوں میں، باغات اور پارکوں میں، صحراؤں اور جنگلوں میں، پھلوں اور پھولوں میں، دواؤں اور نشہ آور چیزوں میں، عالی شان محلات اور بنگلوں میں، روپے پیسوں میں، کھیل کود میں اور تفریح گاہوں میں۔ ان راہوں سے ہوسکتا ہے اسے وقتی طور پر تھوڑا بہت سکون حاصل ہوا ہو تو ہوا ہو، مگر حقیقی سکون، جس کا وہ محتاج ہے، وہ اس سے محروم ہے۔ اس محرومی پر بسا اوقات وہ خودکشی تک کر لیتا ہے۔ ملک کی مشہور کمپنی 'ٹاٹا برلا' کے مالک کے بیٹے نے چند سال پہلے خودکشی کر لی، جس کا سبب اس نے یہ لکھا تھا کہ ''مجھے دنیا میں ہر چیز میسر تھی، مگر سکون واطمینان حاصل نہیں تھا۔ اسی بے سکونی کی وجہ سے میں خودکشی کرنے پر مجبور ہوں''۔

سکون واطمینان کے ذرائع : جس ذات نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے سکون واطمینان کا سامان بھی کیا ہے اور اس کے حصول کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ جب بھی انسان نے ان طریقوں کو چھوڑ کر دوسری چیزوں میں سکون تلاش کرنے کی کوشش کی، اس کی بے سکونی میں اضافہ ہی ہوا۔ خالق کے بتائے ہوئے طریقوں ہی سے مخلوق کو سکون حاصل ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے کے چند ذرائع یہ ہیں:

(1)ایمان اور توحید : سکون واطمینان کا مصدر عقیدۂ توحید ہے۔توحید کی ضد شرک ہے۔ جب انسان شرک کے دلدل میں پھنس جاتا ہے تو اس کا ذہنی سکون غارت ہو جاتا ہے اور بے اطمینانی کی کیفیت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالأَمْنِ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ. اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ۔(الأنعام:82،81)''ان دونوں جماعتوں (موحدین اور مشرکین) میں امن کا زیادہ مستحق کون ہے،(بتاؤ) اگر تم خبر رکھتے ہو۔جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کرتے ،ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں''۔

اس دنیا میں سکون واطمینان کا وعدہ اُن ہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو توحید پر قائم رہتے ہیں اور شرک سے اجتناب کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً ۔(النور:55)''تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا۔وہ صرف میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے''۔

وہ توحید ہی کی طاقت تھی جس کی بدولت صحابہ کرامؓ خوف ناک اذیتوں کے باوجود سکون واطمینان محسوس کرتے تھے۔تپتی ہوی ریت پر بھی ''احد،احد'' (اللہ ایک ہے،اللہ ایک ہے) کے نعرے لگاتے تھے۔سب کچھ چھن جانے کے باوجود بھی شاداں وفرحاں رہتے تھے ۔مصائب ومشکلات میں بھی راحت کی سانس لیتے تھے۔قید وبند میں بھی شادمانی محسوس کرتے تھے اور تختۂ دار پر بھی مسکراتے تھے۔ غرض ان کی زندگی بے اطمینانی سے کوسوں دور تھی۔ایمان نے انھیں ہر وقت اور ہر حال میں خوش رہنا

سکھادیا تھا۔ایسے ہی موحدین کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا: إِنَّ الَّـذِيْـنَ قَـالُـوْا رَبُّـنَـا اللّٰـهُ ثُمَّ اسْتَـقَـامُـوْا تَتَـنَـزَّلُ عَـلَيْهِـمُ الْـمَلَائِـكَةُ أَلَّا تَـخَـافُـوْا وَلَا تَـحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنتُمْ تُوْعَدُوْنَ. (حم السجدہ:**30**)''واقعی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو، بلکہ اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ کیے گئے ہو''۔

عام طور پر مصائب ومشکلات میں انسان گھبرا جاتا ہے، اور بے اطمینانی کا شکار ہو جاتا ہے، لیکن مومن بندہ جس کا ایمان مضبوط ہو، جس کا اپنے رب سے گہرا تعلق ہو، وہ گھبراتا نہیں۔ چاہے غم والم کے طوفان آئیں یا حزن وملال کی آندھیاں چلیں، اس کے سکون واطمینان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ہے۔اس کی زبان پر ہمیشہ یہ الفاظ ہوتے ہیں: إِنَّمَا أَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ۔ (یوسف: **86**)''میں تو اپنی پریشانی اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں''۔

(**2**) **نماز**: حصولِ چین کا ایک اہم ذریعہ نماز ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ۔(نسائی: باب حب النساء:**3957**)''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میں حصولِ چین کی خاطر نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔لوگوں کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔اس نے کہا: میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: أَقِمِ الصَّلَاةَ يَا بِلَالُ! أَرِحْنَا بِهَا ۔''اے بلالؓ! اذان دو، تاکہ ہمیں نماز کے ذریعے راحت ملے''۔ (صحیح الجامع الصغیر:**7892**)

چناں چہ جب بھی کوئی پریشانی یا مصیبت آتی تو آپؐ نماز میں مصروف ہوجاتے ۔حضرت حُذیفہؓ فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى ۔(ابوداؤد: باب وقت قیام النبیؐ:**1321**)''آپؐ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو فوراً نماز کا اہتمام کرتے''۔چناں چہ جب تیز آندھی چلتی تو نماز کی طرف متوجہ ہوتے ، بارش نہ ہوتی تو بارش کے لیے ''صلاۃ الاستسقاء'' پڑھتے، سورج یا چاند گرہن لگتا تو نماز پڑھتے۔

صحابہ کرامؓ کونماز میں وہ سکون ملتا تھا جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں ملتا تھا۔حضرت خبیبؓ کو مکہ کے مشرکین نے گرفتار کر کے سولی کی سزا سنائی ۔اس موقع پر ان سے جب پوچھا گیا کہ تمھاری آخری خواہش کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کو جی چاہ رہا ہے۔اجازت دے دی گئی ۔پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔نماز سے فارغ ہوکر کفارومشرکین سے فرمایا: مجھے نماز میں بڑا سکون مل رہا تھا۔جی چاہ رہا تھا کہ نماز اور لمبی کر دوں،مگر اس وجہ سے مختصر کر دی کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں موت کے ڈر سے نماز طویل کر رہا ہوں۔پھر آپؓ نے فرمایا:اب میں حاضر ہوں۔

(3) ذکرِ الٰہی : سکون واطمینان حاصل کرنے کا دوسرا اہم ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد:28)''جولوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔یادرکھو!اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے''۔

اللہ کا ذکر مومنوں کے دلوں کی غذا ہے۔جب تک بندہ اللہ کی یاد میں رہتا ہے،اس کا دل اسی طرح پُرسکون رہتا ہے،جس طرح مچھلیاں پانی میں اور پرندے کھلی فضا میں سکون محسوس کرتے ہیں۔مچھلی کو اگر پانی سے نکال دیا جائے یا پرندے کو پنجرے میں قید کر دیا جائے تو وہ جس طرح بے چین ہو جاتا ہے،اسی طرح انسان کا دل جب اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی یاد سے معمور اور اس کی یاد سے غافل دل کو زندے اور مردے سے تشبیہ دی ہے۔چناں چہ آپ ؐ کا ارشاد ہے:مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَايَذْكُرُ رَبَّهٗ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ. (بخاری:باب فضل ذکراللہ :6407)''جوشخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور وہ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا،دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے''۔یعنی اللہ کا ذکر کرنے والا زندہ ہے اور نہ کرنے والا مردہ ہے۔

آج کے انسان کی بے قراری اور اضطراب کی بنیادی وجہ معصیت اور گناہ ہیں۔گناہوں کے طوفان میں انسان سر سے پیر تک ڈوبا ہوا ہے،جس کی وجہ سے اسے نہ کسی پل قرار نصیب ہو رہا ہے اور

نہ سکون ۔ اس طوفانِ معصیت کی موجوں سے نکلنے کا راستہ ذکرِ الٰہی ہے۔ چناں چہ اللہ کے رسولؐ کا ارشاد ہے: ہر چیز کا زنگ دور کرنے کے لیے صیقل ہوتا ہے۔ یاد رکھو! دلوں کا زنگ دور کرنے کا صیقل اللہ کا ذکر ہے۔ (بیہقی)

جو لوگ ذکرِ الٰہی سے غفلت برتتے ہیں، ہر طرح کے عیش و آرام اور دنیوی سہولیات کے باوجود ان کی زندگی تنگ و تاریک ہو جاتی ہے، اور وہ سکون و اطمینان سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ اللہ کی یاد سے غفلت برتنے کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكاً۔ (طٰہٰ: 124) ''اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی''۔

(4) تلاوتِ قرآن: قرآن مجید کی تلاوت سے بھی ایک مومن کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ۔ (ابوداؤد: باب فی ثواب قراءۃ القرآن: 1457) ''جب کوئی بھی قوم اللہ کی کتاب کے درس و تدریس کے لیے اللہ کے کسی گھر میں جمع ہوتی ہے تو سکینت اس پر نازل ہوتی ہے۔ رحمتِ الٰہی اس پر چھا جاتی ہے۔ فرشتے اس کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کا ذکر ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں''۔

حضرت اسید بن حضیرؓ رات کے وقت نمازِ تہجد میں سورۂ کہف کی تلاوت کر رہے تھے۔ قریب میں ان کا چھوٹا بچہ سویا ہوا تھا اور پاس ہی گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے تو آسمان سے ایک سایہ ان کے قریب آتا اور گھوڑا بدکنے لگتا۔ جب وہ رُک جاتے تو سایہ اوپر چلا جاتا اور گھوڑا بھی خاموش ہو جاتا۔ پھر جب تلاوت شروع کرتے تو سایہ قریب ہونے لگتا اور گھوڑا بے قرار ہو جاتا۔ انھیں بڑا تعجب ہوا۔ صبح ہوئی تو اللہ کے رسولؐ سے سارا حال بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ۔ (بخاری: باب فضل سورۃ الکھف: 5011) ''یہ سکون و اطمینان نازل کرنے والے فرشتے تھے، جو قرآن مجید کی تلاوت کی وجہ سے تم سے قریب ہو رہے تھے''۔

(5)اسلامی تعلیمات پر عمل : حصولِ سکون کا ایک اہم ذریعہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اسلام کے معنی ہی امن وسلامتی کے ہیں۔ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتا ہے، اس کو امن وسکون نصیب ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی دین و مذہب اور نظام وقانون ایسا نہیں جس کا یہ دعویٰ ہو کہ اس کے پاس امن وسکون حاصل کرنے کا نسخہ موجود ہے، جب کہ اسلام کا یہ اعلان ہے کہ اس کو قبول کرنے سے لوگوں کو امن وسکون میسر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب سربراہانِ عالم کو دین کی دعوت پیش کی تو آپؐ نے انھیں لکھا: أَسْلِمْ تَسْلَمْ ۔''اسلام قبول کرو، امن وامان پاؤ گے''۔(بخاری:باب سؤال هرقل عن الولی:7)

قرآن مجید میں مذہبِ اسلام کے لیے ایک نام لفظ''سِلم'' بھی استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں، اور مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ وہ سلم (یعنی سلامتی والے دین) میں مکمل طور پر داخل ہو جائیں۔ ارشادِ باری ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً. (البقرۃ:208)''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ''۔

انسان کی ساری تگ ودو اور دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ مستقبل میں اسے ایک پُرسکون اور خوش گوار زندگی نصیب ہو۔ اس کی یہ خواہش اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے جنت میں جس گھر کا وعدہ کیا ہے اس کا نام''دارالسلام'' (یعنی امن وسلامتی والا گھر) ہے۔

(6)سلامتی کی دعا : مسلمان جب آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' کہہ کر امن وسلامتی کی دعا دیتے ہیں۔ زندگی کو پُرسکون بنانے میں اس دعا کا بڑا اہم کردار ہے۔ اسی لیے اہلِ ایمان کو گھروں میں داخل ہوتے ہوئے اس دعا کا اہتمام کرنے کی تعلیم دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتاً فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً. (النور:61)''پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو،

دعاے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ‘‘۔

فرشتے جنت کے دروازوں پر اہلِ ایمان کا استقبال کرتے ہوے یہی دعا دیں گے: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ. (الزمر:73)’’تم پر سلام ہو،تم خوش حال رہو،تم اس میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ‘‘۔اور اللہ کی جانب سے بھی ان پر سلامتی بھیجی جائے گی: سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍ رَّحِيْمٍ (یٰس:)’’مہربان پروردگار کی طرف سے انھیں ’’سلام‘‘ کہا جائے گا‘‘۔

احادیث کے مطالعے سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اپنے فرائض ادا کرنا اور دوسروں کے حقوق پورے کرنا بھی سکون واطمینان کا باعث ہے۔

بہر حال! حصولِ سکون کے یہ چند ذرائع ہیں،جنھیں اپنا کر اس دنیا میں چین وسکون سے مالا مال ہوا جا سکتا ہے۔بعض باتیں ایسی ہیں جن سے انسان کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔ان میں سب سے بڑی برائی حسد ہے۔دوسروں کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر دل میں ناگواری محسوس کرنا حسد ہے۔یہ بلا انسان کے سکون کو غارت کر دیتی ہے۔اسی لیے اسلام نے ہر قسم کے منفی خیالات وصفات سے دور رہنے اور مثبت خیالات اور پاکیزہ سوچ کو اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔اسلام چاہتا ہے کہ انسان ہمیشہ دوسروں کا بھلا کرے اور بھلا چاہے،کسی کا نہ بُرا کرے اور نہ بُرا چاہے۔یہ بات مسلّم ہے کہ انسانی زندگی پر افکار وخیالات کا اچھا برا اثر نہایت گہرا پڑتا ہے۔اچھی سوچ اچھا اثر چھوڑتی ہے جب کہ بری سوچ برا اثر ڈالتی ہے۔اس لیے آدمی کو چاہیے کہ مثبت فکر اور اقدار کو اپنائے،اور سارے منفی خیالات اور منفی سوچ سے اپنے دل ودماغ کو پاک رکھے۔اسلامی معاشرے کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں رہنے والے لوگ اعلیٰ اقدار واخلاق،اور بلند سوچ اور کردار کے حامل تھے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سکون واطمینان کی زندگی نصیب فرمائے اور اس کے حصول کے لیے اسلامی ذرائع کو اپنانے کی توفیق دے۔✦✦✦

اسلامی گھر کی خصوصیات

گھر ہر جان دار کی بنیادی ضرورت ہے۔اس دنیا میں پائی جانے والی تمام مخلوق زندہ رہنے کی خاطر جہاں غذا کے لیے دوڑ دھوپ کرتی ہے وہیں سکونت اختیار کرنے کی غرض سے مکان بنانے کے لیے بھی سرگرداں رہتی ہے۔ ہم آئے دن اپنی آنکھوں سے یہ نظارے دیکھتے رہتے ہیں کہ معصوم پرندے اپنی چونچوں میں گھانس پھوس لیے بڑی محنت اور جدو جہد سے اپنے چھوٹے چھوٹے گھونسلے بناتے رہتے ہیں۔شہد کی مکھیاں اپنا گھر بنانے کے لیے جس منظّم طریقے سے کوشش کرتی ہیں اور جس طرح سے منصوبہ بندی کے ساتھ اپنا گھر بناتی ہیں، یقیناً وہ قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے۔قرآن مجید نے ان کے گھر کو قدرت کی ایک عظیم نشانی قرار دے کر انسان کو اس میں غور وفکر کرنے اور اس جیسا منظّم گھر تعمیر کرنے کی دعوت دی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَأَوۡحَی رَبُّكَ إِلَی النَّحۡلِ أَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوتاً وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ۔(النحل:68)’’اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ تو پہاڑوں اور درختوں پر اور لوگوں کے بنائے ہوے چھپّروں پر اپنا گھر بنا‘‘۔

احادیث میں چیونٹیوں کے بلوں کا ذکر ملتا ہے کہ طلبِ علم کے لیے نکلنے والوں کے حق میں وہ اپنے بلوں میں دعائیں کرتی رہتی ہیں۔(ابوداؤد:باب الحث علی طلب العلم:3643)

انسان کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ رہنے کے لیے اس کا ایک خاص گھر ہو۔بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گھر بنانا ایک دنیوی عمل ہے، یہ زہد وتقوی کے خلاف ہے اور انسان کو آخرت سے غافل کرنے والا کام ہے۔یہ طرزِ فکر صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اسلام نے اپنے متبعین کو گھر بنانے کی اجازت دی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا مکہ میں اپنا خاص گھر تھا۔ہجرت نبوی کا تذکرہ کرتے ہوے قرآن مجید میں فرمایا گیا:کَمَا أَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَیۡتِكَ بِالۡحَقِّ۔(الأنفال:5)’’جیسا کہ تمھارے رب نے تم کو تمھارے گھر سے درست کام پر نکالا ہے‘‘۔

مدینہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ نے جہاں عبادت کے لیے مسجد بنائی وہیں ازواجِ مطہرات کے کے لیے گھر بھی بنائے۔

مومن کا اپنا گھر ہونا چاہیے، خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عسیبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ رات کے وقت اپنے گھر سے نکلے۔ آپ ﷺ نے مجھے آواز دی۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا۔ پھر آپ ﷺ کا گزر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے گھر پر سے ہوا۔ ان دونوں کو بھی آپ ﷺ نے آواز دی۔ وہ لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیے۔ اللہ کے رسول ﷺ ہم سب کو ساتھ لے کر ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوے۔ آپ ﷺ نے ان سے کھانا کھلانے کی درخواست کی، انھوں نے اس کو اپنے لیے اعزاز سمجھا اور اچھی خاطر تواضع کی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۔(التکاثر:8) ''پھر تم اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے''۔ حضرت عمرؓ کو تعجب ہوا، انھوں نے کھجور کا ایک خوشہ ہاتھ میں لے کر زمین پر دے مارا، کچھ کچی کھجوریں اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے بکھر گئیں، پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا: اِنَّا لَمَسْئُولُوْنَ عَنْ هٰذَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ نَعَمْ ! اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ خِرْقَةٌ كَفَّ بِهَا عَوْرَتَهُ أَوْ كِسْرَةٌ سَدَّ بِهَا جَوْعَتَهُ أَوْ جُحْرٌ يَدْخُلُ فِيهِ مِنَ الْحَرِّ وَالْقَرِّ ۔(الترغیب والترھیب: باب الترغیب فی التوبة والمبادرة بھا :3221) ''کیا اس کے بارے میں بھی قیامت کے دن ہم سے مواخذہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! سوائے تین چیزوں کے۔ 1۔ وہ کپڑا جس سے اپنا ستر چھپائے۔ 2۔ روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے اپنی بھوک دور کرے۔ 3۔ اور وہ چھوٹا سا گھر جس میں رہ کر گرمی اور سردی سے اپنی حفاظت کرے''۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی ساری زندگی فقر وفاقہ میں گزری۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے لیے الگ الگ گھروں کا انتظام فرمایا۔

حضرت علیؓ کی شادی حضرت فاطمہؓ سے ہوی۔ حضرت علیؓ بچپن سے آپ ﷺ کے گھر میں پلے بڑھے تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے انھیں اپنے گھر میں بسانا مناسب نہیں سمجھا۔ ان کے لیے

ایک الگ گھر کا انتظام فرمایا۔

قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مشترکہ گھر کی بجائے انفرادی گھر پر زور دیتا ہے۔سورۂ نور میں پردے کے احکام کے ضمن میں مختلف رشتوں کا نام لے کر ان کے گھروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ اگر استطاعت ہوتو سب کا اپنا الگ الگ گھر ہونا چاہیے۔(النور: 61) اس کے بہت سے فوائد ہیں۔بے پردگی سے حفاظت ہوتی ہے، رشتے داروں کے درمیان الفت ومحبت قائم رہتی ہے،شرعی معاملات میں نافرمانیوں اور معصیتوں سے بچا جاسکتا ہے،اور گناہوں کا سدِ باب ہوتا ہے۔

گھر کے لیے جگہ کا انتخاب بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔گھر ایسی جگہ بنانا چاہیے جہاں کا ماحول اچھا ہو، کیوں کہ ماحول کے اثرات انسان کی زندگی پر گہرے ہوتے ہیں۔اگر ماحول درست نہ ہوتو برے اثرات سے بچنا ناممکن ہے۔اسی لیے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی آل اولاد کو مشرکانہ ماحول سے نکال کر توحید پرستانہ ماحول میں بسایا، تاکہ اس کے اچھے اثرات ان کی زندگی پر مرتب ہوں۔کعبۃ اللہ کے پاس بسانے کے بعد اللہ سے دعا کرتے ہوئے فرمایا: رَبَّنَـا إِنِّـيۡ أَسۡكَنتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِيۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُواۡ الصَّلاَةَ ۔(ابراہیم: 37) ''اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے، جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لیے کیا، تاکہ وہ نماز قائم رکھیں''۔

اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ پہنچے،اور اپنا گھر بنانا چاہا تو آپؐ نے اس کے لیے مسجد سے قریب کی جگہ کا انتخاب فرمایا۔آپؐ کے تمام گھر مسجدِ نبوی سے متصل تھے۔

قرآن مجید اور احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر کشادہ ہو اور اس میں گھریلو زندگی کی بنیادی سہولیات موجود ہوں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: أَرۡبَعٌ مِّـنَ السَّـعَادَةِ الۡمَرۡأَةُ الصَّالِحَةُ وَالۡمَسۡكَنُ الۡوَاسِعُ وَالۡجَارُ الصَّالِحُ وَالۡمَرۡكَبُ الۡهَنِيۡءُ۔(صحیح الجامع الصغیر: 887) ''چار چیزیں سعادت اور پُرسکون زندگی کی علامت ہیں۔نیک بیوی، کشادہ گھر، اچھا پڑوسی اور آرام دہ سواری''۔

گھر کشادہ ہوتو انسان کی ساری ضرورتیں آسانی سے پوری ہوتی ہیں۔اس کے برخلاف اگر گھر تنگ ہوتو قدم قدم پر رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔تنگ اور سکڑا ہوا گھر، گھر والوں کے لیے بسا اوقات مصیبت بن جاتا ہے۔اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے تنگ گھر کو محرومی کی علامت قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:''چار چیزیں محرومی کی علامت ہیں۔1۔نافرمان بیوی۔2۔تنگ گھر۔3۔بُرا پڑوسی۔4۔اور تکلیف دہ سواری''۔(صحیح الجامع الصغیر:887)

اللہ کے رسول ﷺ سے جو دعائیں منقول ہیں،ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ۔(نسائی:باب مایقول اِذاتوضأ)''اے اللہ!میرے گناہوں کو بخش دے،میرے لیے میرے گھر میں کشادگی پیدا فرما اور میرے رزق میں برکت عطا فرما''۔

حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس گھر میں بسایا،اس کو ہم جنت کہتے ہیں۔یہ گھر کشادہ بھی تھا اور اس میں گھریلو زندگی کے تمام سہولیات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔چناں چہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا: يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلاَ مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔(البقرۃ:35)''اے آدم!تم اور تمھاری بیوی دونوں جنت میں رہو،اور جس طرح چاہو کھاؤ پیو،امن چین کی زندگی بسر کرو''۔

حضرت سلیمانؑ اللہ کے نبی تھے اور اپنے وقت کے بادشاہ بھی۔رہنے کے لیے ان کے پاس عالی شان محل تھا۔ہدہد پرندہ ایک مرتبہ تاخیر سے دربارِ سلیمانی میں پہنچا اور اپنی تاخیر کا سبب بیان کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں نے آپ کی حدودِ سلطنت کے باہر ایک عورت کو حکومت کرتے ہوئے اور اس کی قوم کو سورج کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔حضرت سلیمانؑ کو جب قومِ سبا اور ملکۂ سبا کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ملکۂ سبا کو جب یقین ہوگیا کہ سلیمانؑ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو وہ اپنے لشکر سمیت قبولِ حق کے لیے نکل پڑی۔جب ان کے حدودِ سلطنت میں پہنچی تو حضرت

سلیمانؑ نے اس کا استقبال اپنے شان دار محل میں کیا۔محل کا فرش شیشے کا بنا ہوا تھا۔بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نیچے گہرا پانی ہے۔ملکۂ سبا نے اپنے کپڑے قدموں سے اوپر کر لیے،تا کہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔سلیمانؑ نے فرمایا: إِنَّهُ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ۔ ''یہ شیشے کا چکنا محل ہے''۔(النمل:44)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف اقوام کا تذکرہ کیا ہے جو عالی شان محلات اور اونچی اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے۔قومِ ثمود پر کیے گئے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے ان کے شان دار محلات کا بھی ذکر کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاذۡكُرُوۡا إِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَاءَ مِنۡ بَعۡدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمۡ فِي الۡأَرۡضِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡ سُهُوۡلِهَا قُصُوۡراً وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُيُوۡتاً فَاذۡكُرُوۡا آلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِي الۡأَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ۔(الأعراف:74) ''اور وہ وقت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں قومِ عاد کے بعد ان کا جانشین بنایا اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ تم اس کے نرم حصے میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر گھر بنا لیتے ہو(یہ اس کا تم پر احسان ہے) پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو''۔

قوم سبا کے نہ صرف کئی شان دار محل تھے، بلکہ ان محلات کے اطراف خوب صورت باغات بھی تھے۔قرآن مجید نے ان کے محلات اور باغات کو عبرت وموعظت کی نشانی قرار دیا ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا: لَقَدۡ كَانَ لِسَبَإٍ فِيۡ مَسۡكَنِهِمۡ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنۡ يَّمِيۡنٍ وَّشِمَالٍ ۔(سبا:15) ''قوم سبا کے لیے اپنی بستیوں میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانی تھی۔ان کے دائیں بائیں دو باغ تھے''۔

تربیتی نقطۂ نظر سے بھی گھر کا کشادہ ہونا مطلوب ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جب بچہ سنِ شعور کو پہنچ جائے تو اس کا بستر الگ کر دو۔(ابوداوٗد: باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ) یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ گھر کشادہ ہو اور اس میں ایک سے زائد کمرے ہوں۔

گھر ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اسلام اچھے سے اچھا گھر بنانے کی اجازت دیتا ہے، البتہ ہر طرح کے منفی اغراض سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے۔شہرت

اورنام وری اور ریاونمود کے لیے یا ضرورت سے زائد گھر بنانا کبیرہ گناہ ہے۔اس لیے ایسے منفی جذبات سے ایک مومن کو ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیے۔

شہرت اورنام وری کے لیے گھر بنانے کواللہ کے رسول ﷺ نے قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا ہے۔ایک موقع پر حضرت جبرئیلؑ نے اللہ کے رسول ﷺ سے کئی سوالات کیے،ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کی علامتیں بتلائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا:أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رُعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ ۔(مسلم:باب معرفة الإيمان والإسلام والقدر :102)''لونڈی اپنے آقا کوجنم دے گی اورآپ دیکھیں گے کہ ننگے بدن، ننگے پیر اور بکریاں چرانے والے معمولی قسم کے لوگ بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے اوران پرفخر کریں گے''۔

مومن کا گھر چین وسکون کا گہوارہ ہونا چاہیے۔آدمی دن بھر کی دوڑ دھوپ اورکام کاج سے جب تھکا ماندہ اپنے گھر لوٹتا ہے تو خواہش ہوتی ہے کہ اسے گھر میں سکون وراحت حاصل ہو۔گھر چھوٹا ہی کیوں نہ ہو،اس میں سکون واطمینان ہونا چاہیے۔اس زمین پرآباد تمام مخلوق اپنی دوڑ دھوپ سے فارغ ہونے کے بعد سکون اور چین حاصل کرنے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹتی ہے۔پرندے اپنے گھونسلوں کا رخ کرتے ہیں تو کیڑے مکوڑے اپنے بلوں میں جا کر پناہ لیتے ہیں اور درندے جنگلوں میں اپنے ٹھکانوں میں جا پہنچتے ہیں۔ہر مخلوق پریشانی اور مصیبت کے موقع پر اپنے گھر پر رہنے میں عافیت محسوس کرتی ہے۔حضرت سلیمانؑ جب اپنے لشکر کے ساتھ نکلے اور چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے ساری چیونٹیوں کوخطاب کرکے کہا: ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُوْدُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۔(النمل:18)''تم سب اپنے اپنے بلوں میں داخل ہوجاؤ۔کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اوراس کے لشکر تمھیں کچل ڈالیں اوران کوخبر بھی نہ ہو''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے پرسکون گھر کودنیا کی عظیم نعمت قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ مُعَافًى فِيْ جَسَدِهِ آمِنًا فِيْ سِرْبِهِ عِنْدَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا ۔(ابن ماجۃ:باب فی القناعة :4280)''تم میں سے جو اپنے گھر میں امن

وسکون کے ساتھ صبح کرے، صحت اور تندرستی کی دولت بھی اسے نصیب ہو اور اس کے پاس ایک دن کی روزی روٹی بھی ہو، تو گویا دنیا کی ساری نعمتیں اس کے حصے میں آ گئیں''۔

مومن کا گھر نماز، قرآن مجید کی تلاوت اور ذکرِ الٰہی سے ہمیشہ آباد رہنا چاہیے۔ عورتیں تمام نمازیں گھر میں ادا کریں گی، مردوں کے لیے بھی فرض نمازوں کے سوا باقی نمازیں گھر ہی میں ادا کرنا افضل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: أَفْضَلُ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ ۔ (بخاری: باب صلاۃ اللیل) ''آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے، سوائے فرض نمازوں کے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نفل نمازیں گھر ہی میں ادا کیا کرتے تھے، حالانکہ امہات المؤمنین کے مکانات مسجد سے متصل تھے، اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت بھی ہے۔

اگر استطاعت ہو تو گھر میں عبادت کے لیے ایک مخصوص کمرہ بھی ہونا چاہیے۔ اس ترقی یافتہ دور میں گھر میں ہر ضرورت کے لیے ایک کمرہ مخصوص ہوتا ہے۔ ڈائننگ ہال، کچن روم، بیڈ روم، گیسٹ روم، لائبریری، وغیرہ۔ مومن کے گھر میں ان تمام کمروں کے ساتھ عبادت کے لیے بھی ایک کمرہ ہونا چاہیے، جسے ''مصلی'' یا ''محراب'' کہا جاتا ہے۔ اللہ کے نیک بندے اپنے گھروں میں سب سے پہلے اس کمرے کا اہتمام کرتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ کے گھر میں بھی اس کا خاص اہتمام تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۔ (ص: 21) ''اور کیا آپ کو ان جھگڑنے والوں کی خبر ہے جو دیوار پھاند کر داؤد کے عبادت خانے میں پہنچ گئے تھے''۔

حضرت مریمؑ ایک نیک خاتون تھیں۔ ان کے گھر میں عبادت کے لیے ایک الگ کمرہ تھا، جس کو قرآن مجید نے ''محراب'' کے نام سے یاد کیا ہے: كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۔ (آل عمران: 37) ''جب بھی زکریا ان کے پاس محراب میں جاتے، ان کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتے''۔

خود حضرت زکریاؑ کے گھر میں بھی اس طرح کا کمرہ تھا جس میں وہ عبادت کیا کرتے تھے، جیسا کہ ارشاد ہوا: فَنَادَتْهُ الْمَلآئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۔(آل عمران: 39) ''تو فرشتوں نے انھیں آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے''۔

صحابہ کرامؓ بھی اپنے گھروں میں حتی الامکان نماز کے لیے کمروں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ حضرت ام حمیدؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری خواہش ہے کہ میں بھی آپ کی اقتدا میں مسجد میں نماز ادا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تمھیں میری اقتدا میں نماز پڑھنے کی بڑی خواہش ہے، مگر یاد رکھو! تمھارا اپنے مخصوص کمرے میں نماز پڑھنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے تمھارے اپنے حجرے میں نماز پڑھنے سے، تمھارا اپنے حجرے میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اسی طرح اپنے گھر میں نماز پڑھنا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے سے اور اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے''۔ اس فرمان کے بعد حضرت ام حمیدؓ نے اپنے گھر میں ایک مخصوص کمرہ بنالیا اور اپنی وفات تک اسی میں نماز کا اہتمام کرتی رہیں''۔ (صحیح ابن خزیمۃ: باب اختیار صلاۃ المرأۃ فی حجرتھا..)

خصوصاً فتنوں کے دور میں گھر میں زیادہ سے زیادہ نمازوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جب فرعون قوم بنی اسرائیل پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر وحی کی: وَأَوْحَيْنَا إِلٰى مُوْسىٰ وَأَخِيْهِ أَنْ تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتاً وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّأَقِيْمُوا الصَّلاَةَ ۔ (یونس: 87) ''اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی پر وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں مکان بناؤ، اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ تعمیر کرو، نیز (ان میں) نماز قائم کرو''۔

جس گھر میں قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے، اس گھر کی خیر وبرکت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہاں شر اور برائیوں میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اور جس گھر میں تلاوت کا اہتمام نہیں ہوتا وہاں خیر وبرکت میں کمی آتی ہے اور شر اور برائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

گھر میں ہمیشہ اللہ کا ذکر ہونا چاہیے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، زندے کی سی ہے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا اس کی مثال مردے جیسی ہے''۔(صحیح ابن حبان:باب الأذکار)

گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت دعا پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔اسی طرح ہر کام سے پہلے اللہ کا نام لینے (یعنی بسم اللہ کہنے) کا حکم دیا گیا۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:''رات کے وقت بسم اللہ کہہ کر دروازے بند کرو، کیوں کہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا۔اپنے مشکیزوں کو''بسم اللہ'' کہہ کر بند کرو اور اپنے برتنوں کو''بسم اللہ'' کہہ کر ڈھانپ دو۔(بخاری:باب تغطیة الإناء :5623، صحیح الجامع الصغیر:764)

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِکَةُ بَیْتًافِیْهِ کَلْبٌ وَلَاصُوْرَةٌ ۔(ابن ماجہ:باب الصور فی البیت: 3780)''اس گھر میں رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے جس میں کتّا یا کسی جان دار کی تصویر ہو''۔

گھر دنیوی اسباب میں سے ایک ہے جو انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرتے ہیں۔اس لیے ایک مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو۔جو لوگ گھر اور دنیوی چیزوں کی محبت میں پڑ کر اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں، قرآن مجید نے انھیں فاسق قرار دیا ہے۔(التوبة:24)

گھر کے تعلق سے یہ چند اسلامی ہدایات ہیں جن کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦

شرم وحیا

شرم وحیاانسان کا فطری جوہر ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہرانسان کی فطرت میں شرم وحیا کا جذبہ رکھا ہے۔ حضرت آدمؑ اورحضرت حواؑ نے اس درخت کا پھل کھالیا،جس کے کھانے سے انھیں روکا گیا تھا، نتیجے میں ان سے جنت کا لباس چھن گیا۔شرم وحیا کی وجہ سے وہ درخت کے پتوں سے اپنابدن ڈھانکنے لگے۔(الأعراف:22)

حضرت موسیٰ مصر سے نکل کر جب مدین پہنچے تو انھوں نے پانی کے چشمے کے پاس لوگوں کی بھیڑ دیکھی ۔دولڑکیاں اپنی بکریوں کو لیے دور منتظر کھڑی تھیں کہ اگر لوگ ہٹ جائیں توانھیں سیراب کرلیں۔حضرت موسیٰؑ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے اورآگے بڑھ کران کی ضرورت پوری کردی۔ان لڑکیوں نے اپنے والد سے حضرت موسیٰؑ کےحسنِ سلوک کا تذکرہ کیا۔والد بہت متاثر ہوے اور فرمایا کہ جاؤاس نوجوان کوبلالاؤ۔اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوےقرآن کہتا ہے:فَجَاءَ تْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ ۔(القصص:25)''پھران دونوں میں سےایک لڑکی شرماتی ہوی چل کران کے پاس آئی''۔

اللہ کےرسول ﷺ نہایت شرمیلے تھے۔حضرت ابوسعیدخدریؓ فرماتے ہیں:كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا ۔(بخاری:باب صفة النبی ﷺ:3562)''اللہ کے رسولﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سےبھی زیادہ شرمیلے تھے''۔

شرم وحیا کی وجہ سے بسااوقات آپ ﷺ اپنے حقوق سےبھی دست بردار ہوجاتے تھے۔ حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح ہواتو آپ ﷺ نے ولیمے کی دعوت کی۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعدلوگ گھر میں بیٹھے باتوں میں مصروف ہوگئے۔یہ بات آپ ﷺ کوناگوارگزررہی تھی،مگرحیا کی وجہ سےآپ ﷺ نے اس کا اظہارنہیں کیا۔اس پراللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَإِذَا طَعِمْتُمْ

فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِيْ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ ۔(الأحزاب:53)''اور جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، اور آپس میں بات چیت کرنے میں دل چسپی نہ لو، بے شک تمھاری یہ حرکت نبی کو تکلیف پہنچاتی ہے، لیکن وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بات بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا''۔

حضرت عثمانؓ کی شرم وحیا مثالی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:''ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کا لباس پنڈلی سے کچھ اوپر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور اسی حالت میں بیٹھے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ داخل ہوئے، تب بھی آپ ﷺ اسی حالت میں بیٹھے رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، اپنا لباس درست کیا اور داخل ہونے کی اجازت دی۔ کچھ دیر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جب ابوبکرؓ اور عمرؓ داخل ہوئے تو آپ ﷺ لیٹے ہی رہے اور اپنا کپڑا ابھی درست نہیں کیا مگر جب عثمانؓ آئے تو آپ ﷺ نے اپنا کپڑا درست کیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَلَا أَسْتَحِيْ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِيْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ ۔(مسلم: باب من فضائل عثمان بن عفان :6362)''کیا میں اس شخص سے نہ شرماؤں جس سے فرشتے بھی شرماتے ہیں''۔

دین میں شرم وحیا کی بڑی تاکید آئی ہے۔ شرم وحیا اسلام کا امتیازی وصف ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ ۔(صحیح الجامع الصغیر:2149)''ہر دین کی ایک نمایاں خوبی ہوتی ہے۔ اسلام کا امتیازی وصف شرم وحیا ہے''۔

شرم وحیا کو ایمان کی ایک شاخ بتایا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً ،أَفْضَلُهَا قَوْلُ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ ۔(مسلم: باب شعب الإيمان :162)''ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے افضل ''لاإله إلا الله'' کا اقرار کرنا ہے اور سب سے نچلی شاخ راستے سے گندگی کو دور

کرنا ہے۔اور شرم وحیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے'' ۔

شرم وحیا سے انسان کے اخلاق میں حسن پیدا ہوتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَا کَانَ الْحَیَاءُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَہٗ ۔(صحیح الأدب المفرد: باب الحیاء: 601)''جس چیز میں بھی شرم وحیا پائی جائے، وہ اس کو زینت بخشتی ہے'' ۔

شرم وحیا انسان کو برائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے۔اگر انسان کی زندگی اس وصف سے خالی ہوجائے تو پھر اسے گناہوں سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔وہ ہر برائی کے لیے جری ہوجاتا ہے، بلکہ بے حیائی کی وجہ سے گناہ کو گناہ سمجھنے کا مادہ بھی اس کے دل سے ختم ہوجاتا ہے،اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ ۔(بخاری: باب اِذا لم تستح فاصنع ماشئت: 6120)''اگر تمھارے اندر شرم وحیا نہ ہوتو پھر جو چاہو کرو'' ۔

دین میں شرم وحیا اپنانے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔اسی لیے اسلام میں بچپن ہی سے شرم وحیا کی حفاظت کی تعلیم ملتی ہے۔بچہ جب دس سال کا ہوجائے تو اسلام نے اس کا بستر الگ کرنے کا حکم دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مُرُوْا أَوْلَادَکُمْ بِالصَّلَاۃِ وَھُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَّفَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ ۔(ابوداؤد: باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ: 495)''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو،جب وہ سات سال کے ہوجائیں اور اگر وہ دس سال کے ہوکر بھی نماز کے پابند نہ بنیں تو انھیں مار کر پابند بناؤ اور (جب وہ دس کے ہوجائیں تو) ان کے بستر الگ کردو'' ۔

2۔کم عمر اور نابالغ بچوں کو مخصوص اوقات میں اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہونے سے منع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لِیَسْتَأْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاۃِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّکُمْ ۔(النور: 58)''اے ایمان والو! تمھارے غلام اور لونڈیاں، اور تمھارے نابالغ بچے، تمھارے پاس آنے کی تم سے تین وقتوں میں اجازت لیں، فجر کی نماز

سے پہلے، دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار کر آرام کرتے ہو، اور عشا کی نماز کے بعد۔ یہ تو تمھارے تین پردے کے اوقات ہیں''۔

3۔شرم وحیا کی حفاظت میں نظر کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔نظر کی ذرا سی بے احتیاطی سے آدمی بدکاری کی طرف مائل ہوجاتا ہے،اسی لیے برائیوں کی طرف دیکھنے کو آنکھوں کا زنا کہا گیا۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ زِنَاهُمَاالنَّظْرُ ۔(صحیح الجامع الصغیر:**4150**)''آنکھیں زنا کرتی ہیں،ان کا زنا بدنظری ہے''۔

نظر کے فتنے سے بچنا بہت ہی مشکل ہے۔ یہ اسی شخص کے لیے ممکن ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر اور آخرت میں جواب دہی کا احساس تازہ ہو۔اسی لیے آنکھوں کی حفاظت کرنے اور نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۔(النور:**30**)''آپ کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں،ایسا کرنا ان کے لیے زیادہ بہتر ہے''۔

4۔شرم وحیا کی حفاظت کے لیے نوجوانوں کی شادی میں جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ۔''نوجوانو!تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ جلد شادی کر لے''۔(بخاری:باب قول النبی :من ااستطاع منکم الباءۃ :**5065**)

5۔اور اگر شادی کی طاقت نہ ہو تو روزہ رکھنے کی تلقین کی گئی:وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ ۔''اور اگر استطاعت نہ ہو تو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے''۔(ابوداؤد:باب التحریض علی النکاح:**2048**)

6۔اختلاطِ مرد وزن سے پرہیز: موجودہ دور میں بے حیائی کا ایک اہم سبب اختلاطِ مرد وزن ہے۔مغربی تہذیب کی وجہ سے آج ہر جگہ مرد وزن کا اختلاط پایا جاتا ہے۔بازاروں اور پارکوں میں،خوشی اور غم کی تقریبات میں،اسکولس اور کالجز میں، یہاں تک کہ عبادت گاہوں میں بھی

اختلاط پایا جاتا ہے۔ اسلام نے ہر جگہ عورتوں اور مردوں کی نشستیں الگ رکھنے کا حکم دیا۔ مسجد میں اگلی صفیں مردوں کے لیے اور عورتوں کے لیے پچھلی صفیں متعین کیں۔ نماز کے بعد مردوں کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں بیٹھے رہیں اور عورتوں کے نکلنے کے بعد ہی مسجد سے نکلیں۔ عورتوں کے لیے ایک الگ دروازہ مخصوص تھا، جس سے وہ مسجد میں داخل ہوتیں اور نکلتیں۔

7۔ عورتوں کو بلاضرورت گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا گیا اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے نکلنا پڑے تو پردے کے ساتھ نکلنے کا حکم دیا گیا اور پردے کی حکمت شرم وحیا کی حفاظت بتائی گئی: ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۔(الأحزاب:59) ’’اس (گھونگٹ لٹکا لینے) سے امید ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی اور انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی‘‘۔

8۔ گفتگو: حیا اور بے حیائی کا اظہار گفتگو سے بھی ہوتا ہے۔ ایک مومن کو چاہیے کہ اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ استعمال نہ کرے جو جذبۂ حیا کو متاثر کرتے اور بے حیائی کو فروغ دیتے ہوں۔ اسی لیے عورتوں کو اجنبی مردوں سے لچک دار آواز میں بات کرنے سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ۔(الأحزاب:32) ’’اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو (کسی اجنبی سے) نرم گفتگو نہ کیا کرو، کہ جس کے دل میں (گناہ کی) بیماری ہو، وہ لالچ کرنے لگے‘‘۔

شرم وحیا کا تقاضا ہے کہ مخفی باتوں کے اظہار کی ضرورت پڑے تو ان کا ذکر اشارات و کنایات میں کیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کی یہ نمایاں صفت تھی۔ ایک صحابی فرماتے ہیں: فَإِذَا رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِىْ وَجْهِهٖ ۔(بخاری: باب من لم یواجه الناس بالعتاب :6102) ’’اگر آپ ﷺ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو حیا کے باعث اس کا نام نہ لیتے، بلکہ چہرے سے پتا چل جاتا کہ آپ ﷺ کو فلاں بات ناگوار گزری ہے‘‘۔

اللہ کے رسول ﷺ ایسی ساری باتیں اشارے کنایے میں فرماتے جن کا تعلق شرم وحیا سے ہوتا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: إِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَأْتِهٖ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ ۔

(ترمذی: کتاب الرضاع: باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ: 1193) ''شوہر اگر اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو اسے چاہیے کہ فوراً حاضر ہو جائے، اگر چہ وہ چولھے پر بیٹھی روٹی پکا رہی ہو''۔

اس ارشادِ مبارک میں رسول اکرم ﷺ نے جنسی ضرورت کے لیے ''حاجت'' کا لفظ استعمال فرمایا۔

صحابہ کرامؓ کی تربیت رسول اکرم ﷺ کی زیرِ سایہ ہوی تھی۔ اسی لیے وہ بھی گفتگو میں بہت محتاط رہتے تھے اور اپنی زبان سے بے حیائی کے الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی قابلِ شرم بات کا ذکر کرنا ہوتا تو اشارے اور کنایے میں کرتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوی اور پوچھنے لگی: ''اگر عورت خواب میں وہ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: اِذَا کَانَ مِنْهَا مَایَکُوْنُ مِنَ الرَّجُلِ فَلْتَغْتَسِلُ۔ اگر اس میں سے وہی چیز نکلے جو مرد سے نکلتی ہے (یعنی منی) تو اسے چاہیے کہ غسل کرے''۔ (مسلم: باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی منھا: 737)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوی۔ اس نے عرض کیا: میرا خاوند پوری رات نماز پڑھتا ہے اور سارا دن روزہ رکھتا ہے۔ واللہ! میں یہ ناپسند کرتی ہوں کہ اس کی شکایت کروں، کیوں کہ وہ اللہ کی اطاعت ہی کے لیے یہ عمل کر رہا ہے۔ حضرت کعب بن سور اس وقت حضرت عمرؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوے تھے۔ انھوں نے کہا: میں نے ایسی سخت شکایت پر ایسا خوب صورت احتجاج اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ (مصنف عبدالرزاق: 7/150)

جذبۂ حیا کی حفاظت کا ایک ذریعہ گالی گلوج سے احتراز ہے۔ گالی کوئی بھی ہو اور کسی بھی موقع پر دی جائے، وہ شرم وحیا کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ نے منافق کی ایک علامت یہ بیان فرمائی: اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (ترمذی: باب علامۃ المنافق) ''جب وہ کسی سے جھگڑتا ہے تو گالی گلوج پر اتر آتا ہے''۔ گالی، گالی ہی ہوتی ہے، لیکن جن گالیوں کا تعلق فحش سے ہو، وہ نہایت بدترین ہیں۔ ایسی

بے ہودہ گوئی کسی شریف انسان کو زیب نہیں دیتی، بلکہ یہ شیطان کا کام ہے۔

نامحرموں کے سامنے اجنبی مرد یا عورت کے لباس، حلیہ، وضع قطع اور چال ڈھال وغیرہ کے سلسلے میں رنگین بیانی بھی درست نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتُهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ اِلَيْهَا ۔(بخاری: کتاب النکاح :باب لاتباشرالمرأة المرأة فتنعتهالزوجها :5240)''کسی خاتون کے لیے مناسب نہیں کہ جب وہ کسی عورت سے ملاقات کرے تو اس کی ایک ایک ادا اور حرکت اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ خود اسے دیکھ رہا ہے''۔

بعض لوگ خواب گاہ سے تعلق رکھنے والی باتیں سن سنا کر لطف لیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: اِنَّ مِنْ أَشَرِّالنَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيُ اِلٰى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيُ اِلَيْهِ ثُمَّ يُنْشِرُ سِرَّهَا ۔''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے اپنی ضرورت پوری کرلے۔ پھر دوسروں کے سامنے اس کا راز ظاہر کرتا پھرے''۔ (مسلم: کتاب النکاح:باب تحریم اِفشاء سر المرأة:3615)

شرم وحیا کا تقاضا ہے کہ اعضائے جسم کو بدکاریوں سے بچایا جائے۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے شرم کرو جیسے اس سے شرم کرنے کا حق ہے''۔ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: ''اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس سے حیا کرتے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حیا کا وہ مطلب نہیں جو تم سمجھتے ہو بلکہ حقیقی حیا یہ ہے کہ تم سر اور اس میں موجود اعضاء (آنکھ، کان اور زبان) نیز پیٹ اور اس میں موجود اعضا (ہاتھ، پیر اور دل وغیرہ) کی حفاظت کرو۔ موت کو اور موت کے بعد گل سڑ جانے کو یاد رکھو اور جو آخرت کا طلب گار ہوتا ہے، وہ دنیوی زیب وزینت کو ترک کردیتا ہے۔ جس نے یہ سارے کام انجام دیے، اس نے گویا اللہ سے شرم کیا''۔ (صحیح الترغیب والترھیب :935)

موجودہ دور میں ہر طرف بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ لگتا ہے شرم وحیا کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ قدم قدم پر بے حیائی اور بے شرمی کے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی مقام اس سے پاک نہیں ہے۔

جنسی اشتعال انگیزی پر مشتمل حیاباختہ عورتوں کی تصویریں اس قدر عام ہیں کہ گھریلو استعمال کی عام اشیاء کو بھی ان سے آلودہ کر دیا گیا ہے۔ اخبارات اور رسائل کے سرِ ورق پر نیم عریاں تصویروں کا چھپنا ایک عام سی بات ہے۔ تھوڑی بہت کسر جو رہ گئی تھی، وہ ٹی وی چینلوں اور فیشن شوز نے پوری کر دی ہے۔ اب تو نیٹ اور واٹس ایپ کا زمانہ ہے، جنھوں نے فحاشی اور بے حیائی کو گھر گھر عام کر دیا ہے۔ یہ چیزیں نہایت خاموشی سے فحاشی کی وبا کو پھیلانے میں غیر معمولی کردار ادا کر رہی ہیں۔

بے حیائی کبیرہ گناہ اور نا قابلِ معافی جرم ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: كُلُّ أُمَّتِيْ مُعَافًى اِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ وَاِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَّعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ :يَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَ كَذَا۔ ''میری امت کے ہر شخص کی مغفرت ہوسکتی ہے، سوائے ان لوگوں کے جو علانیہ برائی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ علانیہ برائی کی صورت یہ بھی ہے کہ آدمی رات میں کوئی گناہ کرے، جس پر اللہ نے پردہ ڈال دیا ہو، پھر صبح کے وقت لوگوں سے کہتا پھرے کہ میں نے رات میں یہ یہ برائی کی''۔ (بخاری: باب سترالمؤمن علی نفسہ: 6069)

گزشتہ اقوام کی تباہی کا ایک بنیادی سبب بے حیائی اور جنسی بے راہ روی تھی۔ قوم لوط کی بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ وہ غیر فطری عمل علانیہ کیا کرتے تھے اور اس راہ سے اپنی جنسی ہوس پوری کر لیتے تھے، جس کے نتیجہ میں اللہ کا سخت ترین عذاب ان پر نازل ہوا۔ یہ عذاب انفرادی بھی تھا اور اجتماعی بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ہر فرد پر پتھروں کی بارش برسائی، پھر ان کی بستی کو اُلٹ دیا۔ جیسا کہ فرمایا گیا: فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۔ (ھود: 82) ''پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے زمین کے اوپر کی سطح کو نیچے کی سطح بنا دیا اور ہم نے ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش کر دی، جو لگاتار گر رہے تھے''۔

بے حیائی کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے، مگر بے حیائی کو پھیلانا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ ایسا شخص دنیا اور آخرت دونوں میں عذابِ الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (النور: 19) ''جو لوگ

چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بدکاری کورواج دیں، ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے''۔

اس کے برعکس جولوگ اپنی شرم وحیا کی حفاظت کرتے ہیں، اوراسے آلودہ ہونے نہیں دیتے، اللہ انھیں اس دنیا میں بھی ہرطرح کی مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے اورحشر کے میدان میں جب کہ نفسانفسی کا عالم ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کواپنا خصوصی سایہ عطافرمائے گا۔ان میں سے ایک خوش نصیب وہ ہوگا جواس دنیا میں اپنی شرم وحیااورعفت اور پاک دامنی کی حفاظت کرتا رہا۔رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے:وَرَجُلٌ دَعَتْهُ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیُ أَخَافُ اللّٰهَ ۔(بخاری:باب فضل من ترک الفواحش :6806)'' وہ آدمی (بھی اللہ کے سایے میں ہوگا) جس کو کوئی بڑے گھرانے والی حسین وجمیل عورت بدکاری کی دعوت دے(اوروہ اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرتے ہوے اس کی دعوت کو بھی ٹھکرادے)اور کہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں''۔

اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کوئی معمولی نیکی نہیں ہے۔یہ وہ نیکی ہے جومومن کو جنت کا مستحق بناتی ہے۔قرآن مجید میں جنت الفردوس کے وارثین کے جواوصاف بیان کیے گئے ہیں،ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، چناں چہ فرمایا گیا:وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حَافِظُوۡنَ۔(المؤمنون:5)

موجودہ دور میں مغربی تہذیب کا جادو سرچڑھ کر بول رہا ہے۔شاید ہی کوئی گھر ہوگا جو اس تہذیب کی بوباس سے محفوظ ہو۔خصوصًا آئے دن ترقی کرتی ہوی انفارمیشن ٹیکنالوجی کی وجہ سے معاشرے میں بے حیائی بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ان حالات میں اگر کوئی مسلمان شرم وحیا کا پیکر بنتا ہے اورزندگی کے ہرمعاملے میں اس کالحاظ رکھتا ہے تو اس کے''ولیِ وقت'' ہونے میں کوئی شک نہیں۔وقت کے ایسے ہی قُطب اصلاحِ معاشرہ میں انقلاب پیدا کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی مثالی مومن بنائے۔ ✦✦✦

لباس کی شرعی حیثیت

لباس انسان کی فطری ضرورت ہے۔ پیدائش کے بعد ہی انسان کو کوئی نہ کوئی لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اس کی وفات تک چلتا رہتا ہے، بلکہ وفات کے بعد بھی اس کو سفید لباس میں پورے احترام کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے۔ لباس انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ اللہ کی ان نعمتوں میں سے ہے جن کا شکر بجالانا انسان کے لیے ضروری ہے۔ سورۂ نحل میں مختلف قسم کے لباسوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا: كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ۔(النحل:81) ''وہ اسی طرح اپنی نعمتیں تم پر پوری کر رہا ہے، تاکہ تم فرماں بردار بن جاؤ''۔

انسانی زندگی میں لباس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس وجہ سے قرآن میں خصوصیت کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا ۔(الأعراف:26) ''اے آدم کے بیٹو! ہم نے تمھارے لیے لباس اتارا ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ کو دوسری ہی وحی میں لباس کے بارے میں احکام دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرۡ ۔(المدثر:4) ''اور اپنے کپڑے پاک رکھیے''۔

شیطان انسان کو گم راہ کرنے کے لیے جن ہتھیاروں کو استعمال کرتا ہے، ان میں سے ایک لباس ہے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ نے جب جنت کے اس درخت کا پھل کھالیا جس کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا تھا، تو اس چوک پر اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت کا لباس چھین/اُتار لیا۔

لباس شیطان کے ان ہتھکنڈوں میں سے ہے جن کے ذریعے وہ انسان کو گم راہ کرکے جہنم میں داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے ایک مومن کو شیطان کے حربوں سے اور خصوصاً لباس کے فتنوں سے متنبہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ كَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَـنَّةِ يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ۔(الأعراف:27) ''اے

آدم کے بیٹو! شیطان تمھیں گم راہ نہ کردے، جس طرح اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا۔اس نے ان دونوں سے ان کے لباس اُتروادیے تا کہ انھیں ایک دوسرے کی شرم گاہ دکھائے‘‘۔

اسلام نے لباس کے بارے میں تفصیلی ہدایات دی ہیں۔

لباس کے مقاصد: ستر پوشی لباس کا بنیادی مقصد ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا:’’يَا بَنِيٓ آدَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُوَارِيۡ سَوۡءٰتِكُمۡ ۔ ‘‘اے آدم کے بیٹو! ہم نے تمھارے لیے لباس اتارا ہے جو تمھاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے‘‘۔ (الأعراف:26)

ستر کے معنی چھپانے کے ہیں۔ستر پوشی سے مراد ان جسمانی اعضا کو چھپانا ہے جنھیں ڈھانکنا ضروری ہے۔مرد کا ستر ناف سے گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے اور عورت کا سارا جسم ستر میں داخل ہے، سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔

ستر پوشی ہر حال میں ضروری ہے، خواہ آدمی خلوت میں ہو اور اسے دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:’’اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اپنا ستر کن لوگوں سے چھپائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:’’اپنے ستر کو اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا سب سے چھپاؤ‘‘۔(راوی کا بیان ہے کہ) میں نے پھر عرض کیا: اگر آدمی کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو تو کیا تب بھی ستر کو چھپانا چاہیے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:’’پوری کوشش کرو کہ اسے کوئی نہ دیکھے‘‘۔پھر میں نے عرض کیا: اگر ہم میں سے کوئی اکیلا ہو تب کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنۡ يُسۡتَحۡيٰى مِنۡهُ مِنَ النَّاسِ ۔’’اللہ تعالیٰ لوگوں سے زیادہ مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے‘‘۔(ابوداوٗد: کتاب الحمام: باب ماجاء فی التعری:4019) یعنی آپ ﷺ نے تنہائی میں بھی ستر پوشی کا اہتمام کرنے کی ترغیب دلائی۔

ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص کو برہنہ نہاتے ہوئے پایا۔آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، منبر پر چڑھے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيۡرٌ يُحِبُّ الۡحَيَاءَ وَالسَّتۡرَ فَإِذَا اغۡتَسَلَ أَحَدُكُمۡ فَلۡيَسۡتَتِرۡ ۔(ابوداوٗد: باب النهی عن التعری :4014)’’اللہ تعالیٰ پیکرِ حیا ہے اور

پردہ پوشی کا بہت لحاظ رکھنے والا ہے۔وہ حیااور ستر پوشی کو پسند کرتا ہے۔جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو اسے چاہیے کہ آڑ کر لے''۔

2۔لباس کا دوسرا مقصد زیب و زینت ہے۔لباس ستر پوشی کے ساتھ زینت و جمال کی غرض سے بھی پہنا جاتا ہے۔بننے سنورنے اور زیب و زینت اختیار کرنے کا جذبہ انسان کی فطرت میں شامل ہے۔انسان چاہتا ہے کہ اس کا لباس باعثِ زینت ہو اور اس کے حسن و جمال میں اضافے کا سبب بنے۔اسلام نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ زینت اختیار کرنے پر ابھارا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَـا بَنِيٓ آدَمَ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۔(الأعراف:**31**)''اے آدم کے بیٹو!عبادت کے ہر موقع پر اپنے جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کرو''۔

اللہ کے رسول ﷺ جمعہ کے دن اچھا لباس پہنتے اور عمدہ لباس پہننے کی ترغیب دیتے۔جب کوئی معزز وفد آتا تو عمدہ لباس میں اس کا استقبال کرتے۔

3۔لباس کا تیسرا مقصد موسمی اثرات سے اور میدانِ جنگ میں دشمنوں کے حملوں سے حفاظت ہے۔یعنی لباس انسان کو گرمی اور سردی سے اور میدانِ جنگ میں دشمنوں کے حملوں سے بچاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُم بَأْسَكُمْ ۔(النحل:**81**)''اور(اللہ نے)تمھارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمھیں گرمی(اور سردی)سے بچاتے ہیں۔نیز آہنی لباس جو(ہتھیاروں کی)زد سے بچاتے ہیں''۔

اسلام میں لباس کی کوئی قید نہیں۔ہر وہ لباس جس سے مسلمان کی شناخت قائم رہے اسلامی لباس ہے۔اسلام کے نزدیک سب سے بہترین لباس وہ ہے جو انسان کو اپنے رب سے قریب کرے۔جو غرور و گھمنڈ سے باز رکھے اور عاجزی پر آمادہ کرے،نیز اس کے دل میں رب کی عظمت اور اس کی شکر گزاری کے جذبات پیدا کرے۔ایسے لباس کو قرآن مجید میں''لباسِ تقوی''(یعنی متقیانہ لباس)کہا گیا۔(الأعراف:**26**)

انسان اپنی سہولت،استطاعت اور پسند کے مطابق جو چاہے لباس استعمال کر سکتا ہے۔البتہ

اس کے کچھ حدود و آداب ہیں۔ مثلا: لباس ڈھیلا ڈھالا اور ساتر ہونا چاہیے، تاکہ ستر پوشی اچھی طرح ہو سکے۔ حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ ایک موٹے کپڑے کا یمنی تہبند اور ایک کمبل نکال لائیں جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور اللہ کی قسم کھا کر فرمانے لگیں کہ رسول اکرم ﷺ ان دو کپڑوں میں وفات پائے۔ (ابوداؤد: کتاب اللباس :باب لباس الغلیظ:4038)

اسلام کے نزدیک سفید لباس پسندیدہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِلْبَسُوا ثِيَابَ الْبَيَاضِ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ۔ (ابن ماجہ: باب البیاض من الثیاب 3696) ''سفید لباس پہنو، کیوں کہ یہ پاکیزہ اور عمدہ ہے''۔

صحابہؓ کو تعلیم دینے کی غرض سے حضرت جبرئیلؑ ایک اجنبی کی شکل میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور دین کے بارے میں مختلف سوالات کیے۔ راوی کہتے ہیں: ''وہ انتہائی سفید کپڑوں میں ملبوس تھے''۔ (ابوداؤد: باب فی القدر)

انتقال کے بعد ایک مومن کو سفید کپڑوں میں دفنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (ابن ماجہ: باب فی الإیمان)

کچھ لباس ایسے ہیں جن کی اسلام میں ممانعت آئی ہے:

1۔ عریاں لباس: لباس کا بنیادی مقصد ستر پوشی ہے۔ اسلام ایسے لباس کی اجازت نہیں دیتا، جو انسان کے قابلِ ستر حصوں کو نہ ڈھانکتا ہو، یا جس لباس کے پہننے کے باوجود جسم کے اندرونی حصے نمایاں نظر آتے ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جنھیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا۔ ایک وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دم کی مانند کوڑے ہوں گے اور ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود (تنگ یا باریک ہونے کی وجہ سے) برہنہ نظر آئیں گی۔ وہ دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ ان کے سروں پر چونڈے بختی اونٹوں کے کوہانوں کی مانند حرکت کر رہے ہوں گے۔ یہ خواتین نہ تو

جنت کو دیکھ سکیں گی اور نہ اس کی خوش بو ہی محسوس کر سکیں گی ، حالانکہ جنت کی خوش بو اتنے اور اتنے فاصلے پر محسوس کی جا سکے گی'' ۔(مسلم:باب النساء الکاسیات العاریات المائلات:5704)

عرب کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں کعبۃ اللہ کا طواف برہنہ کیا کرتے تھے۔اسلام نے اس کو ناجائز قرار دیا۔

ایسا باریک لباس جس سے جسم کے اعضا دکھائی دیں یا پھر ایسا تنگ لباس جس سے جسم کے اندرونی اعضا نمایاں ہوں ، یہ سب عریاں لباس میں داخل ہیں۔حضرت اسما بنت ابی بکرؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہویں۔وہ باریک لباس پہنی ہوی تھیں ۔آپ ﷺ نے چہرہ پھیر لیا اور فرمایا: يَا أَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَمْ يَصْلُحْ أَنْ يُّرىٰ مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا۔وَأَشَارَ اِلٰى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ۔(ابوداؤد:باب فیما تبدئ المرأۃ من زینتها :4106)''اے اسماءؓ! جب لڑکی بالغ ہو جائے تو جائز نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے ، سوائے اِس کے اور اِس کے ، آپ ﷺ نے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا'' ۔(ابوداؤد: کتاب اللباس:باب فیماتبدی المرأۃ من زینتها:4106)

2۔وہ لباس جو کسی قوم یا تہذیب کا شعار بن چکا ہو،اسلام نے اسے اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں مسلمانوں کی رہ نمائی کی ہے۔لباس کے باب میں بھی اس نے تفصیلی ہدایات دی ہیں۔لباس کے سلسلے میں اس نے اپنے متبعین کو دوسروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ ایک مرتبہ زرد لباس پہنے ہوے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے۔ان کا لباس دیکھ کر آپؐ خفا ہو گئے ۔آپؐ نے اپنے غصے کا اظہار کیا اور فرمایا:اِنَّ هٰذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهَا ۔''یہ کافروں کا لباس ہے،اس کو مت پہنو'' ۔انھوں نے دریافت کیا: کیا اس کو دھو کر پہن لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں،اس کو پھاڑ دو'' ۔ چناں چہ انھوں نے اس کو پھاڑ دیا۔(مسلم: باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر:5555)

حضرت عمرؓ نے آذربائیجان میں مقیم صحابہ کرامؓ کو لکھا:اِيَّاكُمْ وَالتَّنَعُّمَ وَزِيَّ أَهْلِ

الشِّرُكِ ۔(مسلم: بـاب تحريم لبس الحرير: 5532)''نازونعم سےاورمشرکین کےلباس اوروضع قطع سے بچو''۔

3۔شہرت اور نام وری کا لباس: اسلام مسلمانوں کو انکسار وعاجزی کی تعلیم دیتا ہے۔شہرت اورنام وری کے جذبے کو کچلتا ہےاوراس غرض سے لباس پہننے کو ناجائز قرار دیتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے:مَـنُ لَبَـسَ ثَـوُبَ شُهُـرَـةٍ فِـى الـدُّنُيَا أَلُبَسَهُ اللّٰهُ ثَوُبَ مَذِلَّةٍ يَوُمَ الُقِيَامَةِ۔''جو شخص دنیا میں شہرت اور نام وری حاصل کرنے کی غرض سے لباس پہنتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کوذلت اوررسوائی کالباس پہنائے گا''۔(ابن ماجہ: باب من لبس شهرة من الثياب:3738)

اسی طرح غرور وتکبر کی غرض سے لباس پہننا بھی جائز نہیں۔غرور وتکبر ایک مذموم صفت ہے۔یہ کبیرہ گناہ اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے:لَايَـدُخـلُ الُـجَـنَّةَ مَـنُ كَـانَ فِـىُ قَـلُبِهِ مِثُقَالُ حَبَّةٍ مِّنُ خَرُدَلٍ مِّنُ كِبُرٍ۔''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو''۔(السلسلۃ الصحیحۃ:3257)چناں چہ فخریہ لباس پہننے والوں کے لیے بڑی سخت وعید آئی ہے۔رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے:''ایک شخص قیمتی لباس زیب تن کرکے ،سر کے بالوں میں کنگھی کیے ہوئے خود بینی میں مست،اتراتے ہوئے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسادیا۔وہ قیامت تک زمین میں برابر دھنستا رہے گا''۔(بخاری: باب من جرثوبه من الخيلاء:5789)

مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے کی سخت مذمت آئی ہے، کیوں کہ یہ اکڑ اور گھمنڈ کی علامت ہے۔حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:''تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۔میں نے پوچھا:اے اللہ کے رسول ﷺ!وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:(1)۔اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔(2)۔احسان کرکے جتلانے والا۔(3)۔جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرنے والا۔(ابوداؤد:باب ماجاء فى إسبال الإزار:4089)

دورِحاضر میں ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا ایک عام سی بات ہوچکی ہے۔اس کو گناہ ہی تصور نہیں کیا جاتا، حالاں کہ اس حرکت پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ صرف تکبر کی وجہ سے ازار لٹکانے کی ممانعت آئی ہے،احساسِ برتری نہ ہوتو ٹخنے سے نیچے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں۔یہ غلط خیال ہے کیوں کہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا ہی تکبر ہے۔حضرت ابو جُری هُجیمی کو نصیحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:اِيَّاكَ وَاِسْبَالِ الْاِزَارِ فَاِنَّهُ مِنَ الْمَخِيْلَةِ ۔وَلَا يُحِبُّهَا اللّٰهُ ۔''ٹخنوں سے نیچے ازار نہ لٹکاؤ، کیوں کہ یہی تکبر ہے اور اسے اللہ ناپسند کرتا ہے''۔ (صحیح الجامع الصغیر:98)

4۔اسراف اور بخیلی سے اجتناب: اسلام نے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔لباس کے بارے میں بھی اس نے اسراف اور بخیلی دونوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَا لَمْ يُخَالِطْهُ اِسْرَافٌ وَلَامَخِيْلَةٌ۔(صحیح الترغیب والترھیب: کتاب اللباس:باب البس ماشئت :2145)''کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور لباس پہنو،لیکن فضول خرچی اور تکبر سے بچو''۔

لباس کے سلسلے میں بخیلی کرنے سے بھی منع کیا گیا۔حضرت ابوالاَ حوص ؒ فرماتے ہیں کہ ان کے والد خدمتِ نبوی میں حاضر ہوے۔پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوے تھے۔آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا تمھارے پاس مال نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میرے پاس تو مال کی فراوانی ہے۔آپ ﷺ نے دریافت کیا: تمھارے پاس کون کون سا مال ہے؟ انھوں نے جواب دیا:قَدْ آتَانِيَ اللّٰهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالرَّقِيْقِ وَالْغَنَمِ۔''اللہ نے مجھے اونٹ، بکری، لونڈی اور غلام جیسی بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے''۔آپ ﷺ نے فرمایا:اِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرِعَلَيْكَ ۔''جب اللہ نے تمھیں مال دیا ہے تو اس کا اظہار(تمھاری زندگی پر)ہونا چاہیے''۔(صحیح ابن حبان: کتاب اللباس و آدابہ)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ ۔''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہو''۔ایک شخص نے کہا: ''اے

اللہ کے رسول ﷺ! ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لباس بہتر ہو ،اس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: اِنَّ اللّٰہَ جَمِیلٌ یَحِبُّ الْجَمَالَ ،اَلْکِبْرُ مَنْ بَطِرَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ ۔''بے شک اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ آدمی حق سے اعراض کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے''۔(مسلم:باب تحریم الکبر و بیانه:275)

اسلام نے جہاں اسراف اور بخیلی سے منع فرمایا ہے، وہیں لباس میں سادگی اختیار کرنے کی بھی تعلیم دی ہے۔ چناں چہ حضرت ابوامامہؓ کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایک مرتبہ دنیا اور اس کی زیب وزینت کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:''سن لو! بلاشبہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ بلاشبہ سادگی ایمان کا حصہ ہے''۔(ابوداؤد: کتاب الترجل : باب النهی عن کثیر من الإرفاء:4163)

سادگی اہل ایمان کی نمایاں صفت ہے ۔حضرت عمر بن خطابؓ وقت کے خلیفہ ہیں، اس کے باوجود سادگی کا یہ عالم تھا کہ پیوند لگے ہوے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے: رَأَیْتُ عُمَرَ وَهُوَ یَوْمَئِذٍ أَمِیرُ الْمُؤْمِنِینَ وَقَدْ رَقَعَ بَیْنَ کَتِفَیْهِ بِرِقَاعٍ ثَلاثٍ ۔''میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا، جس وقت وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے، وہ اپنے دونوں کندھوں کے درمیان تین پیوند لگا ہوا کپڑا پہنے ہوے تھے''۔(صحیح الترغیب والترهیب: کتاب اللباس والزینة :باب التواضع فی اللباس ..:2082)

استطاعت اور حیثیت کے باوجود سادہ لباس پہننا اور تواضع اختیار کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔ اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلَیْهِ دَعَاهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلیٰ رُؤُوسِ الْخَلائِقِ حَتّٰی یُخَیِّرَهُ مِنْ أَیِّ حُلَلِ الْإِیْمَانِ شَاءَ یَلْبَسُهَا ۔''جو شخص عاجزی اور انکسار کی خاطر مرتبے والے اور قیمتی لباس چھوڑ دے، حالاں کہ وہ اس کی استطاعت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے ان لباسوں میں سے جسے چاہے پہن لے''۔(صحیح الترغیب والترهیب: باب الترغیب فی ترك الترفع فی اللباس تواضعا:2072)

5۔جنسِ مخالف کے لباس سے مشابہ لباس: اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی فطرت میں تنوع رکھا ہے۔ان کی جسمانی ہیئت اور فطری تقاضے بھی جدا جدا ہیں۔اس لیے دونوں کا لباس بھی علاحدہ مقرر کیا ہے۔ ہر ایک کے لیے ضروری ہے کہ اپنی فطرت پر قائم رہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرے۔ ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا گویا فطرت سے بغاوت اور لعنت وملامت کا سبب ہے۔حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبِسُ لِبُسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبِسُ لِبُسَةَ الرَّجُلِ۔ ''اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی عورت جیسا لباس پہننے والے مرد پر اور مرد جیسا لباس پہننے والی عورت پر''۔(ابوداؤد: كتاب اللباس: باب فی لباس النساء: 4100)

6۔مردوں کے لیے ریشمی لباس پہننا جائز نہیں۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا پکڑ کر فرمایا: إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ۔ ''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں''۔(ابوداؤد: كتاب اللباس: باب فی الحرير للنساء: 4059) ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ۔(ابن ماجہ: باب كراهية لبس الحرير: 3719) ''جو شخص دنیا میں ریشمی لباس پہنے گا وہ آخرت میں اس لباس سے محروم رہے گا''۔

7۔تصاویر اور نقش ونگار والا لباس: لباس انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔صاف ستھرا، بے داغ اور سنجیدہ لباس انسان کے وقار اور قدر ومنزلت میں اضافہ کرتا ہے، جب کہ داغ دار اور نامناسب لباس انسان کے وقار کو مجروح کرتا ہے اور اس کے مرتبے کو گھٹا دیتا ہے۔موجودہ دور میں رنگین، بیل بوٹوں سے مزین اور تصویروں والا لباس ہر طرف عام ہے۔اسلامی نقطۂ نظر سے جس لباس میں جان داروں کی تصویریں ہوں اسے پہننا جائز نہیں، کیوں کہ اسلام میں جان دار کی تصویر بنانے کی سخت مذمت آئی ہے۔اس کے علاوہ ایسا لباس پہننے سے بھی بچنا چاہیے جس میں بے جان چیزوں کی تصویریں، یا نقش ونگار اور بیل بوٹے ہوں، یا جس پر ناشائستہ الفاظ لکھے ہوں، کیوں کہ اس سے عبادتوں میں خلل ہوتا ہے۔

لباس کے سلسلے میں یہ چند اسلامی تعلیمات ہیں، جن کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

کسبِ حلال اور اس کے ذرائع

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس دنیا میں بسایا اور زندگی گزارنے کے تمام اسباب و وسائل اس کے لیے مہیا کیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۔(الأعراف: 11) "اور ہم نے تمھیں زمین کا مکین بنایا، اور اس میں تمھارے لیے اسباب معیشت فراہم کیے، مگر تم اللہ کا شکر بہت کم ادا کرتے ہو"۔

پھر انسان کو حکم دیا کہ وہ جدو جہد کر کے ان وسائل کو تلاش کرے اور ان سے اپنی ضرورتیں اور جائز خواہشیں پوری کرے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِّزْقِهِ " اسی (اللہ) نے زمین کو تمھارے لیے نرم اور ہموار بنا دیا ہے، پس تم اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو اور اسی کی روزی میں سے کھاؤ" ۔(الملک: 15)

کسبِ معاش کے لیے عبادتوں میں تخفیف کی گئی۔ ابتدائے اسلام میں رسول اکرم ﷺ کو تہجد کی نماز طویل پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بعد میں اس میں تخفیف کی گئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بتائی کہ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے، جن کی مختلف مصروفیات دن میں ہوتی ہیں۔ ان کی ایک مصروفیت یہ بتائی گئی: وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔ کہ وہ اللہ کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرنے کے لیے زمین میں پھیل جاتے ہیں۔(المزمل: 20)

جمعہ کا دن بڑا مبارک ہے۔ اس دن کی عبادت بڑی فضیلت والی ہے، مگر جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد رزق حلال کے لیے زمین میں پھیل جانے کا حکم دیا گیا: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔ ''جب نماز پڑھ لی جائے تو تم لوگ زمین میں پھیل جاؤ، اور اللہ کے فضل (یعنی روزی) کی تلاش میں لگ جاؤ'' ۔(الجمعۃ: 10)

مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا گیا۔ ہجرت کا یہ حکم جان و مال اور دین کی حفاظت کی

خاطر تھا۔اس کا ایک فائدہ یہ بتایا گیا کہ آدمی کو رزق اور مال و دولت بھی حاصل ہوگا۔فرمایا گیا:وَمَنْ يُّهَاجِرُ فِيُ سَبِيُلِ اللّٰهِ يَجِدُ فِيُ الْأَرُضِ مُرَاغَماً كَثِيُرًا وَسَعَةً ۔(النساء:100)''اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے، وہ زمین میں بہت سی پناہ کی جگہیں اور کشادگی پاتا ہے''۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا ارشاد ہے:''جہاد کے بعد میرے نزدیک موت کے لیے سب سے اچھا وقت وہ ہے جس میں میں اللہ کا فضل تلاش کر رہا ہوتا ہوں۔ پھر آپؓ نے سورۂ مزمل کی یہ آیت تلاوت فرمائی:وَآخَرُوُنَ يَضُرِبُوُنَ فِي الْأَرُضِ يَبْتَغُوُنَ مِنُ فَضُلِ اللّٰهِ ۔(المزمل:20) کہ وہ اللہ کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرنے کے لیے زمین میں پھیل جاتے ہیں۔

بعض لوگ حصولِ رزق کی کوششوں کو دنیاداری کا نام دے کر، یا پھر توکل اور زہد کے خلاف قرار دے کر اس سے بے توجہی برتتے ہیں۔ یہ دراصل اسلامی تعلیمات سے کم واقفیت کا نتیجہ ہے۔اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرامؓ کو حصولِ رزق کی ترغیب دیتے تھے۔حضرت عمرو بن عاصؓ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:يَا عَمُرُو !اِنِّيُ أُرِيُدُ أَنُ أَبُعَثَكَ عَلىٰ جَيُشٍ فَيَغُنَمَكَ اللّٰهُ وَأَرُغَبُ لَكَ رَغُبَةً مِّنَ الُمَالِ صَالِحَةً ۔''اے عمرو! میں تمھیں ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ کر رہا ہوں۔ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمھیں جنگ کے نتیجے میں مالِ غنیمت عطا فرمائے،اور میں تمھارے اندر مال کی طلب دیکھ رہا ہوں۔انھوں نے جواب دیا: اِنِّيُ لَمُ أُسُلِمُ رَغُبَةً فِي الُمَالِ ،اِنَّمَا أَسُلَمُتُ رَغُبَةً فِي الْاِسُلَامِ فَأَكُوُنَ مَعَ رَسُوُلِ اللّٰهِ ﷺ۔''اے اللہ کے رسولؐ! میں نے مال کی لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا بلکہ دینِ اسلام کی حقانیت نے مجھے قبولِ اسلام پر آمادہ کیا ہے۔میں تو بس آپ ﷺ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔آپ ﷺ نے جواب دیا:يَا عَمُرُو !نِعُمَ الُمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ " حلال اور پاکیزہ مال نیک آدمی کے لیے بڑی نعمت ہے''۔(الأدب المفرد:باب المال الصالح للمرء الصالح :299)

حضرت عمرؓ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ توکل علی اللہ کا دعویٰ کر کے نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوے ہیں۔آپؓ نے انھیں اپنے درّے سے مارا اور فرمایا:لَايَقُعُدَنَّ أَحَدُكُمُ عَنُ طَلَبِ الرِّزُقِ

وَيَقُولُ: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ قَدْعَلِمَ أَنَّ السَّمَاءَ لَاتُمْطِرُ ذَهَبًاوَلَافِضَّةً وَاِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ:فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْافِی الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ ”کوئی شخص رزق کے لیے کوشش کرنا چھوڑ کراللہ سے یہ دعا نہ کرے کہ اے اللہ! مجھے رزق دے، حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوتی اوراللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرما چکا ہے کہ جب نماز سے فارغ ہوجاؤ تو زمین میں پھیل جاؤاوراللہ کا فضل تلاش کرو“۔(مشکلۃ الفقروکیف عالجھاالإ سلام: علامہ یوسف القرضاوی)

ایک دفعہ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا: اس شخص کے بارے میں آپؒ کی کیارائے ہے جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کوئی کام نہیں کروں گا، مجھے اللہ پر بھروسا ہے، وہ مجھے رزق عطا کرے گا۔امام احمدؒ نے جواب دیا: یہ شخص نرا جاہل ہے۔کیا اس نے رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا: جُعِلَ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ ۔(بخاری: باب ماقیل فی الرماح)”میرارزق میرے نیزے کے سایے میں رکھا گیا ہے“۔اور رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کیا اسے معلوم نہیں کہ پرندے صبح کے وقت تلاشِ رزق میں خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کوشکم سیر ہوکرلوٹتے ہیں۔اور صحابہ کرام ؓ بحروبر میں تجارت کیا کرتے تھے اور اپنے نخلستانوں میں کام کیا کرتے تھے۔ان کا یہ عمل ہمارے لیے نمونہ ہے۔(مشکلۃ الفقروکیف عالجھاالاسلام: علامہ یوسف القرضاوی)

کثرتِ مال اسلام کی نظر میں معیوب نہیں، بشرطے کہ وہ جائز اور حلال طریقے سے کمایا جائے اور اس کے حقوق ادا کیے جائیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے متبعین کو حلال طریقوں سے مال کمانے کی پوری آزادی دی ہے۔حضرت انسؓ اللہ کے رسول ﷺ کے خاص خادموں میں سے تھے۔آپ ﷺ نے ان کے لیے کثرتِ مال کی بھی دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا أَعْطَيْتَهٗ ۔(بخاری: باب الدعاء بکثرۃ المال مع البرکۃ: 6378)”اے اللہ! ان کے مال و اولاد میں اضافہ فرما اور جو بھی انھیں عطا ہو، اس میں برکت بھی عطا فرما“۔

اس کے برعکس اسلام نے فقروفاقہ کی مذمت کی، کیوں کہ فقروفاقہ انسان کے عقیدہ وایمان ،اخلاق اورکردار ،فکروفہم اور دین ودنیا سب پر اثر انداز ہوتا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مال

داری اور بے نیازی کو رسول اکرم ﷺ کے لیے بطورِ احسان اور انعام کے ذکر کیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنَىٰ۔ ''اور اس نے آپ کو ضرورت مند پایا تو بے نیاز بنادیا'' (الضحیٰ: 8)

اسلام نے فقر وفاقہ سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے جو دعائیں منقول ہیں، ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے: اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ۔ (ابوداؤد: باب الاستعاذة: 1546) ''اے اللہ! میں فقر وفاقے سے، مال کی کمی اور ذلت سے تیری پناہ میں آتا ہوں''۔

ایک دعا میں فقر وفاقہ کے ساتھ کفر سے بھی پناہ طلب کرنے کا ذکر ملتا ہے: اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ۔ (ابوداؤد: باب مايقول إذاأصبح: 5092) ''اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں کفر اور فقر وفاقہ سے''۔ شارحین لکھتے ہیں کہ کفر اور فقر میں گہرا تعلق ہے، کیوں کہ فقر وفاقہ انسان کو کفر اور شرک تک لے جاتا ہے۔ اسی لیے عربی میں کہا جاتا ہے: كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔ ''فقر وفاقہ کفر کا باعث بنتا ہے''۔

کسبِ حلال کے ذرائع: اسلام نے مال کمانے کے مختلف طریقوں کی نشان دہی کی ہے۔ جن میں سے چند اہم یہ ہیں:

1۔ تجارت: کسبِ معاش کا سب سے اہم ذریعہ تجارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا۔ ''اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔'' (البقرۃ: 275) تجارت ایک بابرکت پیشہ ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دورانِ حج بھی حاجی کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر اس کی عبادت میں خلل نہ ہو تو وہ تجارت کرسکتا ہے۔ چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ ''تمھارے لیے اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔'' (البقرۃ: 198)

اسلام میں تاجر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔ (صحیح الترغیب والترھیب: 1782) ''سچا اور امانت

دار تاجر قیامت کے دن انبیا،صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا''۔

قرآن مجید میں ایسے تاجروں کی تعریف کی گئی ہے جو اسلامی اصولوں کے مطابق تجارت کرتے ہیں اور تجارت میں منہمک ہوکر عبادتوں سے اور اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔جیسا کہ فرمایا گیا: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُوْنَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْأَبْصَارُ۔(النور:37)''جنھیں کوئی تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکاۃ دینے سے غافل نہیں کرتی ہے وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب (ڈر کے مارے) لوگوں کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ جائیں گی''۔

خود اللہ کے رسول ﷺ ایک کامیاب تاجر تھے۔نبوت سے قبل آپ ﷺ کا مشغلہ تجارت تھا۔ تجارت کی غرض سے آپ ﷺ ملکِ شام کا سفر کر چکے تھے۔

اکثر و بیشتر مہاجر صحابہ کرامؓ کا ذریعۂ معاش تجارت ہی تھا۔حضرت ابوھریرہؓ پر کسی نے اعتراض کیا کہ دیگر صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں آپؓ نے اتنی زیادہ احادیث کیسے حاصل کیں، جب کہ آپؓ کو نبی کریم ﷺ کی صحبت کا بہت کم موقع ملا؟اس کا جواب دیتے ہوے حضرت ابوھریرہؓ نے فرمایا:وَإِنَّ إِخْوَتِيْ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغُلُهُمْ صَفَقٌ بِالْأَسْوَاقِ وَكُنْتُ أَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى مِلْءِ بَطْنِيْ فَأَشْهَدُ إِذَا غَابُوْا وَأَحْفَظُ إِذَا نَسُوْا۔(بخاری:باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ فاذاقضیت الصلاۃ ..:2047)''میرے مہاجر بھائی بازاروں میں تجارت میں مشغول رہتے تھے اور میں رسول اکرم ﷺ سے چمٹا رہتا تھا۔میں اس وقت بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا جب وہ سب موجود نہیں رہتے۔میں آپ ﷺ سے اس وقت بھی احادیث محفوظ کرتا رہتا جب کہ وہ اس طرف توجہ نہیں دے رہے ہوتے''۔

حضرت ابوبکرؓ،حضرت عمرؓ،حضرت عثمانؓ،حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ کا شمار بڑے نام ور تاجروں میں ہوا کرتا تھا۔

2۔صنعت وحرفت: کسبِ معاش کا دوسرا اہم ذریعہ صنعت وحرفت ہے۔آپ ﷺ نے اس کو

کمائی کا سب سے بہترین ذریعہ قرار دیا ہے۔حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: أَيُّ الْكَسَبِ أَطْيَبُ ؟ سب سے بہترین کمائی کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ :607)''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا''۔

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: اِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسَبِكُمْ ۔(ابن ماجہ: باب مالـلرجل من مال ولده:2378)''سب سے پاک لقمہ وہ ہے جو آدمی اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے''۔

صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے: مَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ عَمَلِ يَدِهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ ۔(بخاری: باب كسب الرجل وعمله بيده :2072) ''کوئی بھی آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر لقمہ نہیں کھایا۔ اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے''۔

حضرت داؤدؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کر دیا تھا، جس کی مدد سے وہ اسلحے، جنگی سامان اور دیگر چیزیں بنایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۔ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً ۔(سبا:10،11)

حضرت سلیمانؑ وقت کے نبی اور بادشاہ تھے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ایک بہترین کاریگر بھی تھے۔ وہ ضروریاتِ زندگی کے مختلف سامان بنایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَّأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۔ يَعْمَلُوْنَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رَّاسِيَاتٍ ۔''اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا، وہ صبح کے وقت ایک ماہ کی مسافت، اور شام کے وقت ایک ماہ کی مسافت طے کرتی تھی، اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا، اور ہم نے بعض جنوں کو ان کے تابع کر دیا تھا، جو ان کے آگے ان کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے، اور ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے سرتابی کرتا تو ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب

چکھاتے تھے۔وہ جن ان کے لیے ان کی خواہش کے مطابق اونچی عمارتیں، مجسمے اور بڑے حوض کے مانند لگن اور زمین میں رکھی ہوی دیگیں بناتے تھے۔"(سبا:13،12)

حضرت نوحؑ بھی ایک بہترین کاری گر تھے۔اللہ کے حکم سے انھوں نے ایک بڑی کشتی بنائی، جس میں اس وقت کے سارے مومن اور ہر جان دار کا ایک ایک جوڑا سوار کیا گیا۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوھریرہؓ سے صحیح سند کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا یہ قول منقول ہے کہ حضرت زکریاؑ بڑھئی تھے۔(ابن ماجہ:باب الصناعات:2233)

اسلام ہر فرد سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بے کار نہ رہے۔کوئی نہ کوئی ہنر سیکھے یا کسی نہ کسی کام پر لگ کر کمائے۔حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا"۔پھر میں نے دریافت کیا کہ سب سے بہترین غلام کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:"جو مالک کے نزدیک سب سے عمدہ اور قیمتی ہو"۔پھر میں نے دریافت کیا:اگر مجھ سے یہ عمل نہ ہو سکے تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:تُعِيْنُ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ ۔"کسی کاری گر کی مدد کر دیا جو کام کرنا نہ جانتا ہو اس کے کام آیا کرو"۔(بخاری:باب أي الرقاب أفضل:2518)

قرآن مجید میں مختلف دھاتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے صنعت وحرفت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔مثلا:سونا چاندی،لوہا اور تانبا وغیرہ اور ایک سورت کا نام الحدید(لوہا) ہے،جس میں لوہے کا ذکر کر کے فرمایا گیا کہ اس کے بہت سے فوائد ہیں: وَأَنزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۔"ہم نے لوہا پیدا کیا،اس میں بڑا زور اور لوگوں کے لیے بہت سے فوائد ہیں"(الحدید:25)

گویا اس کو کام میں لا کر ضروریاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والی مختلف چیزیں بنانے پر ابھارا گیا۔

4۔زراعت اور کاشت کاری:حصولِ معاش کا ایک اور اہم ذریعہ زراعت ہے۔دنیا کی ایک بڑی آبادی کا گزر بسر کاشت کاری پر ہوتا ہے۔یہ بڑا صبر آزما اور محنت طلب کام ہے،مگر ساتھ ہی یہ خیر وبرکت والا کام بھی ہے۔قرآن نے صدقہ وخیرات کی اہمیت کو بتاتے ہوئے زراعت اور کاشت

کاری کی حقیقت کو بھی واضح فرمایا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:مَّثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّا ئَةُ حَبَّةٍ ۔''جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں،ان کی مثال اس دانے کی ہے،جس نے سات خوشے اگائے،ہر خوشہ میں سودانے تھے''۔(البقرۃ:261)

دنیا کی ساری مخلوقات کی حیات و بقا کا دارومدار زراعت پر ہے۔اگر کاشت کاری نہ ہوتو غذائی بحران کی وجہ سے دنیا کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔اسی لیے اسلام نے کاشت کاری کو بڑے اجروثواب والا کام بتایا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيْمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ ۔(ترمذی:باب فضل الغرس :1441)''جو بھی مسلمان کوئی درخت اگاتا ہے یا کوئی بیج بوتا ہے،اس کی فصل میں سے اگر کوئی پرندہ،یا انسان یا جانور کچھ کھالے تو یہ اس کے حق میں نیکی لکھی جاتی ہے''۔

کاشت کاری پر اسلام میں بہت زیادہ ابھارا گیا ہے۔ایک حدیث ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَبِيَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيْلَةٌ فَاسْتَطَاعَ أَنْ لَّاتَقُوْمَ حَتّٰى تَغْرِسَهَا فَلْيَغْرِسْهَا ۔(الأدب المفرد:باب اصطناع المال :479)''اگر قیامت قائم ہونے والی ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو اور قیامت قائم ہونے سے پہلے وہ اسے بوسکتا ہو تو اسے چاہیے کہ ضرور بوئے''۔

اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی قابلِ کاشت زمین بنجر رہے۔کاشت کاری کے قابل زمین کو کام میں لانے پر ابھارا گیا ہے۔حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَإِنْ لَّمْ يَزْرَعْهَا فَلْيُزْرِعْهَا أَخَاهُ ۔(مسلم:باب کراء الأرض:3998)''جس کے پاس کاشت کاری کے لیے کوئی زمین ہو،تو اسے چاہیے کہ اس میں کاشت کرے اور اگر وہ یہ نہ کرسکتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے اس بھائی کو دے جو اس میں کاشت

کرسکتا ہو‘‘۔

اگر کوئی شخص بنجر زمین میں کاشت کاری کرتا ہے تو یقیناًوہ ساری انسانیت پر احسان کرتا ہے۔اس لیے اسلام اس کی اس محنت کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے،فرمایا گیا:مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهَا ۔(ابوداوٗد:باب فی اِحیاء الموات: **3075**)’’جوکوئی مردہ زمین کوآباد کرے وہ اسی کے لیے ہے‘‘۔

مدینہ کے صحابہؓ جنھیں انصار کہا جاتا ہے،وہ زراعت پیشہ تھے۔خیبر ایک زرخیز علاقہ تھا،جس میں یہودی کاشت کاری کیا کرتے تھے۔جب یہودیوں سے جنگ ہوی اور خیبر فتح ہوا تو آپ ﷺ نے خیبر کی زمین یہودیوں کے حوالے کی کہ وہ اس میں کاشت کاری کریں،اس میں جوبھی اناج اور غلہ آئے اس میں سے نصف انھیں دیا جائے گا۔(ابن ماجہ: باب معاملة النخيل والكرم)

4۔محنت مزدوری: کسبِ معاش کا ایک اہم ذریعہ محنت اور مزدوری بھی ہے۔اگر کسی کو تجارت یا زراعت کے مواقع میسر نہ ہوں اور کوئی ہنر بھی نہ آتا ہو تو انھیں محنت اور مزدوری کر کے حصولِ معاش کا سامان کرنا چاہیے۔

لوگ عام طور پر محنت مزدوری کو معیوب سمجھتے ہیں جب کہ یہ انبیاے کرامؑ کی سنت ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:’’اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چَرائی ہوں۔صحابہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا:کیا آپ نے بھی بکریاں چَرائی ہیں؟آپ ﷺ نے جواب دیا:ہاں !چند قیراط کے عوض میں نے بھی مکہ والوں کی بکریاں چَرائی ہیں‘‘۔(بخاری:باب رعی الغنم علی قراریط:**2262**)

حضرت موسیٰؑ کا شمار اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے۔آپؑ حضرت شعیبؑ کے پاس دس سال تک مزدوری کرتے رہے اوران کی بکریاں چراتے رہے۔

دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا ذلت اور رسوائی کا کام ہے۔اسی لیے اسلام اسے پسند نہیں کرتا۔اس کی بجاے وہ مسلمانوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ محنت مزدوری کریں، تاکہ ذلت

اور رسوائی سے بچ سکیں۔ حضرت زبیر بن عوامؓ راوی ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص رسی لے کر جنگل یا پہاڑ پر جائے اور لکڑیاں کاٹ کر اس کا گٹھا کمر پر لاد کر لائے اور اسے بیچ دے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کی ضرورت پوری کردے تو یہ اس کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے۔ کوئی دے، اور کوئی نہ دے"۔ (بخاری: باب کسب الرجل وعمله بيده: 2075)

کسبِ معاش کے یہ چند ذرائع ہیں۔ اسلام حلال طریقہ سے مال کمانے کے لیے ہر جائز وسیلے کو اپنانے کی اجازت دیتا ہے۔ اور کسبِ معاش کی ہر جائز کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کے برعکس حصولِ معاش کے لیے کوشش کیے بغیر گھر میں بیٹھے رہنے کو بالکل ناپسند کرتا ہے۔ آج مسلمانوں کی ذلت اور پستی کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ کسبِ معاش کے میدان میں بہت پیچھے ہیں۔ جب انسان کے پاس اپنی بنیادی ضرورت کے لیے مال نہ ہوگا تو نہ وہ اہل وعیال کے حقوق ادا کر پائے گا اور نہ اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کا انتظام کر سکے گا، بلکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوگا جو کہ ایک ذلیل عمل ہے۔

اس کے علاوہ ایسا شخص انفاق فی سبیل اللہ، زکوۃ وخیرات اور عمرہ وحج جیسی عظیم نعمتوں سے محروم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ۔ "تم لوگ بھلائی ہرگز نہیں پاؤ گے، جب تک (اللہ کی راہ میں) وہ مال نہ خرچ کرو گے جسے تم محبوب رکھتے ہو۔" (آل عمران: 92)

غرض مال ودولت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی دنیا بھی متاثر ہوگی اور آخرت بھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مال ودولت کی اہمیت کو سمجھنے اور رب العالمین کی نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

تعلقات کی اہمیت

انسانی معاشرے کی تعمیر وترقی کی بنیاد اس کے افراد کے مابین تعلقات کی استواری پر ہے۔اگر باہمی تعلقات صحیح نہ ہوں تو معاشرہ تعمیر وترقی کی بجائے تخریب وتنزلی کا شکار ہوگا۔یہ حقیقت سب پر واضح ہے کہ دور حاضر میں اسلامی معاشرہ رُو بہ زوال ہے ۔اس کی ایک اہم وجہ اس کے افراد کے باہمی تعلقات کا فقدان ہے،حالانکہ اسلام نے باہمی تعلقات کی استواری پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔اسلام میں باہمی تعلقات کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ دنیا وآخرت کی کامیابی اور دین کی نشر واشاعت میں یہ چیز معاون ہے۔اگر اس کے متبعین ہی آپس میں دست وگریباں رہیں اور ان کے باہمی تعلقات خوش گوار نہ ہوں تو یہ چیز نہ صرف اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے گی بلکہ خود ان کے وجود کے لیے بھی بڑا خطرہ ثابت ہوگی۔

شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑائے ،جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ أَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ ۔(ترمذی :باب ماجاء فی التباغض :2062) ’’شیطان،نمازیوں(مسلمانوں) سے اپنی عبادت کرانے میں ناکام ہو چکا ہے،اس لیے وہ انھیں آپس میں ایک دوسرے سے لڑانا چاہتا ہے‘‘۔

دشمنان اسلام کی بھی ہمیشہ سے یہ سازش رہی ہے کہ مسلمانوں کو باہم لڑا کر انھیں آپس میں الجھایا جائے ۔ ابتدائے اسلام سے یہودی، مسلمانوں کو باہم لڑانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے ہیں۔’’عہد نبوی میں ایک مرتبہ ایک یہودی شاس بن قیس کا گزر صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس پر سے ہوا، جس میں اوس اور خزرج دونوں ہی قبیلے کے لوگ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ان کی اس الفت ومحبت کو دیکھ کر شاس کے دل میں جلن شروع ہوی۔چناں چہ اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ ان کی مجلس میں جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑے،اور اس سلسلے میں دونوں جانب سے جو اشعار کہے گئے تھے وہ

سنائے۔اس یہودی نے ایسا ہی کیا جس کے نتیجے میں دونوں قبیلوں کے درمیان جاہلی عصبیت بھڑک اٹھی ۔قریب تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے بھڑ جاتے ،اتنے میں اطلاع ملنے پر رسول اکرم ﷺ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور دونوں کو خاموش کرایا''۔(الرحیق المختوم:**369**)۔۔۔۔۔عہد صحابہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ بھی انہی کی سازشوں کے نتیجہ میں وجود میں آئیں۔

آج بھی دشمنان اسلام کی جانب سے منظّم اور غیر محسوس طریقے سے مسلمانوں کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے سے برسر پیکار کرنے اور ان کے تعلقات کو بگاڑنے کی کوشش کی جارہی ہے، جس میں انھیں بہت حد تک کامیابی بھی مل رہی ہے۔اس سلسلے کی دردناک خبریں روزانہ اخبارات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو اختلاف وافتراق سے بار بار روکا ہے۔چناں چہ فرمایا گیا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْبَيِّنَاتُ ۔(آل عمران:**105**)''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا''۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اس کے متبعین کے تعلقات میں کسی طرح کا نقص واقع ہو،اسی لیے اس نے میل جول رکھنے والے مومن کو دوسرے سے بہتر قرار دیا ہے: اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَفْضَلُ مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ۔ (صحیح الجامع الصغیر:**6651**)''وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے،اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا اور نہ ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے''

۔

اسلام نے مومنوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔اس کی تعلیم ہے کہ اپنے مومن بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔اس کو ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا۔جیسا کہ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: لَايُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهِ ۔(بخاری: کتاب

الایمان:باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه:13)''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

مومن کے دل میں اسلامی اخوت جتنی راسخ ہوگی، اسی قدر وہ ایمان کی حلاوت بھی محسوس کرے گا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:''تین چیزیں جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا، ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسری یہ کہ وہ کسی سے محض اللہ کے لیے محبت کرے اور تیسری یہ کہ کفر میں لوٹ جانا اسے اتنا ہی ناپسند ہو جتنا کہ آگ میں گرنا''۔(بخاری: کتاب الایمان:باب حلاوۃ الإیمان: 16)

ایک حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:'' میری عظمت وجلال کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والوں کے لیے نور کے منبر ہوں گے، اور ان پر انبیا اور شہدا بھی رشک کریں گے''(ترمذی:باب ماجاء فی الحب فی الله:2567)

مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی مضبوطی کو آپ ﷺ نے تمثیلی انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:اَلْمُؤْمِنُوْنَ فِیْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا اشْتَکیٰ مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعیٰ لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰی۔(بخاری:باب رحمة الناس والبهائم: 6011)''مسلمانوں کی مثال باہم مودت اور الفت ومحبت میں ایک جسم کی مانند ہے کہ جب جسم کے کسی حصہ کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔(ترمذی:باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم :2053)''مسلمان باہم ایک دوسرے سے مل کر اس طرح مضبوط ہوتے ہیں جس طرح دیوار، کہ اس کے ایک حصہ کی وجہ سے اس کا دوسرا حصہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے''۔

تعلقات کی مضبوطی کے لیے کیا اس سے بھی بلیغ کوئی اور مثال ہوسکتی ہے؟

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں: ''اس تمثیل میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس طرح دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے مل کر مضبوط ہوکر نا قابلِ تسخیر حصن وحصار بن جاتی ہے، اسی طرح جماعت اسلامیہ ایک قلعہ ہے، جس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک مسلمان ہے۔ یہ قلعہ اس وقت تک محفوظ ہے، جب تک اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے ملی ہوی ہے۔ جب یہ اینٹ اپنی جگہ سے کھسک جائے گی، تو پوری دیوار دھم سے زمین پر آجائے گی''۔(سیرت النبی:6/448)

اسلام نے اہل ایمان کے اس صحت مند جسم میں کم زوری پیدا کرنے والی ہر بیماری اور دین اسلام کے اس مضبوط قلعے میں دراڑ پیدا کرنے والی ہر چیز سے متنبہ کیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید بھی کی ہے۔ چناں چہ کسی مسلمان کو حقیر جاننے ،اس کا مذاق اڑانے ،لعن طعن کرنے ، برے القاب سے پکارنے ،ٹوہ میں لگنے،غیبت ،چغل خوری،اور بدگمانی کرنے سے روکا ہے۔ایک دوسرے کے احترام کوایمان کا جز قرار دیا ہے، اپنے مومن بھائی کو دیکھ کر مسکرانے کو بھی باعث ثواب بتایا ہے، اور کہا ہے کہ کوئی مومن اپنے مومن بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنے کو حقیر نہ جانے ۔اسی مقصد کے لیے آپس میں سلام کو عام کرنے کا حکم دیا ،دعوت قبول کرنے کی تلقین کی ،اگر کوئی بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کرنے کو اسلامی فریضہ قرار دیا، آپس میں تحفے تحائف کا تبادلہ کرنے کی تعلیم دی، دعاے خیر میں اپنے مومن بھائیوں کو شریک کرنے کی ترغیب دی۔ اپنے مومن بھائی کی ضرورت پوری کرنے اور اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرنے کا حکم دیا اور اس کی مدد کرنے کو رب کی مدد کا مستحق ٹھہرایا ہے۔اس سلسلے میں بے شمار احادیث کتبِ حدیث میں مروی ہیں۔ یہاں چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا جارہا ہے:

صحیح بخاری کی روایت ہے۔لوگوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے اچھا مسلمان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں''۔(بخاری: كتاب الايمان: باب أي الإسلام أفضل: 11)

ایک موقع پر ارشاد ہوا کہ ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرے، نہ

اس کو بے یارو مددگار چھوڑے اور نہ اس کی تحقیر کرے.....انسان کے لیے یہ برائی کیا کم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔مسلمان کا ہر حصہ دوسرے مسلمان پر حرام ہے،اس کا خون،اس کا مال اور اس کی آبرو''۔(مسلم:كتاب البر والصلة:باب تحريم ظلم المسلم وخذله:6706)

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:''جو کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو اللہ تعالی دنیا وآخرت میں اس پر آسانی کرے گا،اور جو کسی مسلمان کا پردہ رکھے گا تو اللہ تعالی دنیا وآخرت میں اس کا پردہ رکھے گا،اور اللہ تعالی اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے،جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے''۔(ابوداؤد:كتاب الأدب:باب في المعونة للمسلم 4948:)

حجۃ الوداع کے نہایت اہم خطبہ میں آپ نے لوگوں سے فرمایا تھا:''دیکھو!میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو''۔(بخاری:كتاب العلم:باب الإنصات:121)

جان تو بڑی چیز ہے،کسی کی آبرو کے پیچھے پڑنا بھی بڑا گناہ بتایا گیا ہے،فرمایا: ''سب سے بڑا گناہ کسی مسلمان کی طرف بے سبب ہاتھ بڑھانا ہے''۔(ابوداؤد:کتاب الادب)

اگر کوئی مسلمان کسی مصیبت میں گرفتار ہو،جس میں اس کی آبرو جانے کا ڈر ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کو بچانے کی کوشش کرے۔ارشاد ہوا:''جو کوئی کسی مسلمان کو کسی ایسے موقع پر بے سہارا چھوڑے گا،جس میں اس کی عزت پر حرف آتا ہو،اور اس کی آبرو جاتی ہو،تو اللہ بھی اس کو ایسی ہی جگہ بے یارو مددگار چھوڑے گا،اور جو کوئی کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے گا تو اللہ بھی اس کی ایسے موقع پر مدد فرمائے گا''۔(ابوداود،کتاب الادب)

مسلمانوں کے تعلقات کو خوش گوار بنانے والی یہ چند وہ تعلیمات ہیں جن کے بغیر کسی مومن کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا،اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ''تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو وہ

اپنے لیے چاہتا ہے‘‘۔(مسلم:باب الدلیل علی أن من خصال الإیمان أن یحب لأخیه المسلم...:179)

الغرض ملت اسلامیہ کی جماعت کا ہر رکن دوسرے کے ساتھ ایسی محبت کرے جیسی وہ خود اپنے ساتھ کرتا ہے،اس کے نفع کو اپنا نفع اور اس کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:’’مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے،اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے،اس کے نقصان کو دور کرتا ہے،اور اس کے پیچھے میں اس کی حفاظت کرتا ہے‘‘۔(ابوداؤد:باب فی النصیحة و الحیاطة)

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:’’دیکھیے کہ رسول اکرم ﷺ نے جماعت اسلامیہ کی عمارت کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم فرمائی تھی۔اگر آج بھی ان ہدایتوں پر عمل کیا جائے تو اس عمارت کی دیواریں ایسی شکستہ نہ رہیں گی ،جیسی آج ہیں۔ہر جماعت انہی اصولوں پر دنیا میں بنی ہے،اور آئندہ بھی بنے گی‘‘۔(سیرت النبی:6/451)

جہاں چند لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، بہ تقاضائے بشریت ان میں غلط فہمی،ناچاقی،رنجش اور خلش کا پیدا ہونا یقینی بات ہے۔ایسے موقع پر اسلام نے اپنے متبعین کو ایسی لازوال ہدایات دی ہیں جنھیں اپنا کر وہ باہمی رنجش دور کر سکتے ہیں۔

آپسی اصلاح اور تعلقات کی استواری پر اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے،فرمایا:إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۔(الحجرات:10)’’(یادرکھو)سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو‘‘۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:’’کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں جو نماز ،روزہ اور صدقہ وخیرات سے بھی زیادہ فضیلت والی ہے؟صحابہ کرامؓ نے کہا:ضرور بتائیے اے اللہ کے رسول ﷺ!آپ ﷺ نے فرمایا:اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ۔’’آپس میں ایک دوسرے کی اصلاح کرنا یہ سب سے افضل کام ہے‘‘۔(ابوداؤد:کتاب الأدب:باب فی إصلاح ذات البین:4921)

سرگوشی اسلام میں ناجائز ہے مگر مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اس کی اجازت

دی گئی، فرمایا گیا: لَّا خَيۡرَ فِيۡ كَثِيۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوَاهُمۡ إِلَّا مَنۡ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوۡ مَعۡرُوۡفٍ أَوۡ إِصۡلَاحٍ بَيۡنَ النَّاسِ ۔(النساء:114)''ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ہاں! بھلائی اس مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے''۔

اگر مسلمانوں کے دو فریقوں میں نزاع پیدا ہو جائے اور دونوں آپس میں لڑ پڑیں تو دیگر مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ تماشائی نہ بنیں بلکہ دونوں کے درمیان صلح صفائی کرائیں۔فرمایا گیا: وَإِنۡ طَائِفَتَانِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَأَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۔(الحجرات:9)''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں میں صلح کرادو''۔

اور اگر دونوں فریقوں میں سے کوئی فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو اس سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا، چناں چہ فرمایا گیا: فَإِنۡ بَغَتۡ إِحۡدَاهُمَا عَلَى الۡأُخۡرىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِيۡ تَبۡغِيۡ حَتّٰى تَفِيۡءَ إِلٰى أَمۡرِ اللّٰهِ فَإِنۡ فَآءَتۡ فَأَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَأَقۡسِطُوۡا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۔(الحجرات: 9)''پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو، اور عدل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

صلح صفائی کے لیے بوقتِ ضرورت جھوٹ بولنے کی بھی اجازت دی گئی، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لَيۡسَ الۡكَاذِبُ مَنۡ أَصۡلَحَ بَيۡنَ النَّاسِ فَقَالَ خَيۡرًا أَوۡ نَمىٰ خَيۡرًا۔ (ترمذی:باب ماجاء فی اصلاح ذات البین :2063)''جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان اصلاح کی خاطر بھلی بات کہے یا کسی کے حوالے سے بھلی بات پہنچائے''۔

آپسی اصلاح کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس کے لیے یہ دعا بھی سکھائی: اَللّٰهُمَّ أَلِّفۡ بَيۡنَ قُلُوۡبِنَا وَأَصۡلِحۡ ذَاتَ بَيۡنِنَا وَاهۡدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ۔ (ابوداؤد:باب التشہد: 971) ''اے پروردگار! ہمارے دلوں کو جوڑ دے، آپس میں ہماری

اصلاح فرمادے اور سلامتی کے راستوں کی طرف ہماری راہ نمائی فرما‘‘۔

یہ ہیں وہ تعلیمات جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں باہمی تعلقات کی کیا اہمیت ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تعلیمات کی روشنی میں مسلمان اپنا جائزہ لیں، نیز اپنی اور اپنے معاشرے کی اصلاح کی فکر کریں۔اللہ تعالیٰ ہم تمام کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ✦✦✦✦

صحبت کے اثرات

دوستی اور صحبت ہر انسان کی معاشرتی ضرورت ہے۔دوستی کے بغیر زندگی بے مزہ اور بے ذوق ہوکر رہ جاتی ہے۔زندگی کو زندہ اور باذوق بنانے کے لیے اچھے دوستوں کی ضرورت ہے۔انسان کی زندگی بنانے اور بگاڑنے میں دوستوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔اگر نیک، بااخلاق، بامقصد اور بلند فکر رکھنے والے دوست مل جائیں تو نہ صرف انسان کی زندگی سدھر جائے گی بلکہ معاشرے میں ایک صالح انقلاب رونما ہوگا۔اس کے برعکس اگر برے، بدکردار، بے مقصد اور غلط افکار کے حامل افراد سے دوستی ہو جائے تو دینی، دنیوی اور جسمانی ہر اعتبار سے ہلاکت اس کا مقدر بن جائے گی۔

صحبت اور دوستی اچھی ہو یا بری، شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کے اثرات ہر انسان پر مرتب ہوتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے اسی حقیقت کو تمثیلی انداز میں یوں بیان فرمایا ہے: ”اچھے اور برے ساتھی کی مثال مشک رکھنے والے اور آگ کی بھٹی دھونکنے والے کی مانند ہے۔مشک رکھنے والا یا تو تمھیں تحفے میں دے گا، یا تم اس سے خریدو گے، یا کم از کم (اس کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے) اس سے پاکیزہ خوشبو پاؤ گے۔اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمھارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے ناخوشگوار بو پاؤ گے“۔(بخاری: باب فی العطارو بیع المسك: **2101**)

یہی حال دوستوں کا ہے۔ان کے اچھے یا برے اثرات سے انسان محفوظ نہیں رہ سکتا۔اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اچھے دوستوں کا انتخاب کرنے کا حکم دیا ہے۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ مَعَ مَنْ یُّخَالِلُ۔(ترمذی: باب قول النبی ﷺ الرجل علی دینه خلیله: **2552**)”انسان اپنے دوست کے طور طریقوں پر ہوتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھے دوست کا انتخاب کرے“۔

دوستی کا حقیقی معیار: اسلام نے ایمان، تقوی، پرہیز گاری، اور اخلاق حسنہ کو دوستی

کا معیار قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ. (التوبہ: 71) ''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ. (ترمذی: باب ماجاء فی صحبة المؤمن: 2574) ''تم مومن ہی کو دوست بناؤ اور تمھارا کھانا صرف پرہیزگار ہی کھائے''۔

سورۂ توبہ میں ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ. (التوبۃ: 119) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو''۔

حضرت علقمہؓ جب کوفہ سے ملکِ شام روانہ ہوئے تو یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا. (بخاری: باب مناقب عمار و حذیفہؓ: 3743) ''اے اللہ! مجھے نیک ہم نشین میسر فرما''۔۔۔۔۔ملکِ شام میں انھیں صحابیِ رسول حضرت ابوالدرداءؓ کی صحبت نصیب ہوئی۔

سورۂ کہف میں رسول اکرم ﷺ کو عبادت گزار بندوں کی صحبت کے التزام پر زور دیتے ہوئے فرمایا گیا: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. (الکہف: 78) ''اپنے آپ کو انھیں لوگوں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں، اسی کی رضامندی چاہتے ہیں، خبردار! تیری نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں، دنیوی زندگی کی زیب و زینت کی خواہش میں''۔

نیک لوگوں کی صحبت نظر انداز کرنے پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: عَبَسَ وَتَوَلّٰى۔ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمٰى۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى۔ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى۔ (عبس: 1 تا 4) ''وہ ترش رو ہوا، اور منہ موڑ لیا، (صرف اس لیے کہ) اس کے پاس ایک نابینا آیا، تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا، یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی''۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ام مکتومؓ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ رشد وہدایت کی بات بتائیے؟ آپ کے پاس اس وقت سردارانِ قریش بیٹھے ہوے تھے، اس لیے آپ ان سے منہ پھیرنے لگے۔(ترمذی)

حضرت ابوذر غفاریؓ کا قول ہے کہ'' برے دوست سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے کسی نیک آدمی کی صحبت اچھی ہے''۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ'' اگر کوئی دوستی کے لائق نہ ملے تو پھر کسی نااہل سے دوستی مت کرو''۔

حضرت علقمہؒ عطاری مرض الموت میں اپنے صاحب زادے کو وصیت کرتے ہوے کہتے ہیں:'' تم اس شخص کی صحبت اختیار کرو کہ اگر تم خیر کی طرف ہاتھ پھیلانا چاہو تو وہ تمھارا تعاون کرے۔ اور اگر تمھارے اندر کوئی خوبی دیکھے تو اس کو ذکر کرے اور کوئی برائی دیکھے تو اس کی اصلاح کی کوشش کرے''۔

شیخ سعدیؒ کا قول ہے:'' مجھے ایسے شخص کی دوستی پسند نہیں جو میری بری عادتوں کو اچھا کہے۔ میرے عیب کو ہنر جانے اور میرے کانٹوں کو گلاب اور یاسمین کا نام دے''۔(مثالی نوجوان)

بری صحبت اور اس کے نقصانات : :قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کفار ومشرکین ، یہود ونصاری اور منافقین کو دوست بنانے سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ أَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ .(آل عمران:28)''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں''۔۔۔۔۔دوسری جگہ ارشاد ہے: یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ أَوْلِیَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِیَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ .(المائدہ:51)''اے ایمان والو! تم یہود ونصاری کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک ان ہی میں

سے ہے''۔

اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے والوں اور دین کا مذاق اڑانے والوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے:وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلاَ تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذاً مِّثْلُهُمْ .(النساء:140)''اور اللہ تعالی تمھارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالی کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں،(ورنہ) تمھارا بھی شمار انہی لوگوں میں ہوگا''۔

انسان جب دین سے دور اور اللہ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے تو اللہ تعالی اس پر برے دوستوں کو مسلط کردیتا ہے۔چناں چہ ارشاد باری ہے:وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ .(الزخرف:38)''جو رحمٰن کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے اس کے ساتھ ہم ایک شیطان کو لگادیتے ہیں،پس وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے''

یہ برے دوست راہ راست سے دوری اور دنیا اور آخرت دونوں کی بربادی کا سبب بنتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ .(حم السجدہ:25)''ہم نے ان کے لیے کچھ ہم نشین بنادیے ہیں،پس انھوں نے ان کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو ان کی نگاہوں میں خوب صورت بنادیا ہے''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُون .(الزخرف:39)''وہ ان کو اللہ کے راستے سے روکتے رہتے ہیں اور یہ کافر سمجھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں''۔

مگر قیامت کے دن جب حقیقت سامنے آجائے گی تو اس وقت ایسی دوستی پر کف افسوس

ملتے ہوئے کہیں گے: یَا وَیۡلَتیٰ لَیۡتَنِی لَمۡ أَتَّخِذۡ فُلَاناً خَلِیۡلاً ۔لَقَدۡ أَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ إِذۡ جَـاءَ نِـیۡ ۔ (الفرقان:29،28)''ہائے افسوس! کاش میں فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے میرے پاس قرآن آجانے کے بعد اسے قبول کرنے سے بہکا دیا''۔

وہ اس وقت یہ بھی تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں دونوں کے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی تو بہتر ہوتا مگر اس وقت کفِ افسوس ملنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

نیک صحبت کے فوائد: اچھی دوستی اور نیک صحبت کے بے شمار فائدے ہیں۔سب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ انسان نیک لوگوں کی صحبت میں رہ کر خود بھی نیک بن جاتا ہے۔عہد نبوی میں کئی لوگوں نے قتل کے ڈر سے یا دنیوی مفادات کی غرض سے اسلام قبول کیا،مگر صحبت نبوی اور صحابہ کرام کی رفاقت کے سبب ان کی نیتیں نیک ہوگئیں اور وہ اپنے ایمان میں مخلص ہوگئے ۔ایسے لوگوں کے بارے میں سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ **حَسُنَ اِسۡلَامُہ** کہ بعد میں ان کا اسلام خالص ہوگیا۔

فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے جن لوگوں کے قتل عام کا اعلان فرمایا ان میں عکرمہ بن ابی جہل بھی ہیں۔مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:''عکرمہ بن ابی جہل نے بھاگ کر یمن کی راہ لی،لیکن ان کی بیوی خدمت نبوی میں حاضر ہوکر ان کے لیے امان کی طالب ہوی اور آپ ﷺ نے امان دے دی۔اس کے بعد وہ عکرمہ کے پیچھے پیچھے گئیں اور انھیں ساتھ لے آئیں،عکرمہ نے واپس آکر اسلام قبول کیا اور ان کے اسلام کی کیفیت بہت اچھی رہی''۔(الرحیق المختوم،ص:635)

ثمامہ بن اثال، نبی کریم ﷺ کے سخت ترین دشمنوں میں تھے۔مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے نکلے تھے۔لیکن مسلمانوں نے انھیں گرفتار کرلیا اور مدینہ میں لاکر مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔تین دن تک وہ مسجد نبوی کے روحانی منظر کا مشاہدہ کرتے رہے۔تین دن بعد جب رہا کیا گیا تو انھوں نے قریب کے کسی باغ میں جاکر غسل کیا۔واپس آکر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔پھر کہا: اللہ کی قسم! روے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ ﷺ

کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا لیکن اب آپ کا چہرہ دوسرے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا۔ (الرحیق المختوم، ص: 490)

کسی عربی شاعر کا مشہور شعر ہے ؎

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

﴿میں نیک لوگوں کو پسند کرتا ہوں، حالانکہ میں خود نیک نہیں ہوں۔ اس امید پر کہ اللہ تعالی مجھے بھی نیک بنادے۔﴾

دوسرا فائدہ :اگر مقصد نیک نہ ہو، پھر بھی نیک لوگوں کی صحبت فائدے سے خالی نہیں۔ حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی جانب سے مقرر کردہ کچھ فرشتے وہ ہیں جو ذکر الٰہی میں مشغول بندوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ایسے نیک بندوں کو دیکھتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں: هَلُمُّوا حَاجَتَكُمْ ۔ ''آؤ تمھارا مقصود یہاں پر موجود ہے''۔ پھر وہ اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک ان کو گھیر لیتے ہیں۔ اللہ تعالی ان فرشتوں سے پوچھے گا کہ میرے بندے کیا کر رہے ہیں، حالانکہ اس کو بخوبی علم ہے۔ وہ جواب دیں گے: تیری حمد وثنا اور بڑائی اور کبریائی میں مصروف ہیں۔ پھر اللہ تعالی پوچھے گا: کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ جواب دیں گے: نہیں۔ اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی عبادتوں میں اور اضافہ ہو جاتا۔ پھر کہے گا: وہ کیا چاہتے ہیں؟ وہ جواب دیں گے: وہ تجھ سے جنت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالی پوچھے گا: کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے؟ جواب دیں گے: نہیں۔ اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی طلب میں اور اضافہ ہوتا۔ پھر کہے گا: وہ کس چیز سے پناہ طلب کرتے ہیں؟ جواب دیں گے: جہنم سے۔ اللہ تعالی پوچھے گا: کیا انھوں نے جہنم دیکھی ہے؟ جواب دیں گے: نہیں، اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کے ڈر میں اور اضافہ ہوتا۔ اللہ تعالی کہے گا: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ ۔ تم گواہ رہو، میں نے انھیں بخش دیا۔ فرشتے کہیں گے: فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ ۔ ''ان میں فلاں آدمی ایسا ہے جس کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو کسی اور ضرورت

سے آیا ہے''۔اللہ تعالی جواب دے گا: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَايَشْقىٰ جَلِيْسُهُمْ ۔''(کوئی بات نہیں) وہ ایسے لوگ ہیں جن کے ساتھ رہنے والے (ثواب سے) محروم نہیں ہوسکتے''۔(بخاری: باب فضل ذکر الله عزوجل: 6408)

تیسرا فائدہ: نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے والے قیامت کے دن عرش الہی کے سایے میں ہوں گے۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ ؟اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ . (مسلم: باب فی فضل الحب فی الله :6713) ''اللہ تعالی قیامت کے دن فرمائے گا: میری عظمت وجلال کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں ان کو اپنے سایے میں جگہ دوں گا، آج میرے سایے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے''۔

انھیں قیامت کے دن بلند مقام نصیب ہوگا۔حضرت معاذؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوے سنا: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ، لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ . (ترمذی: باب ماجاء فی الحب فی الله :2567) ''اللہ تعالی کہے گا: میری جلالت وعظمت کی خاطر باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں۔ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے (جن پر وہ بیٹھے ہوں گے) ان پر انبیا اور شہدا بھی رشک کریں گے''۔

چوتھا فائدہ: یہ لوگ اللہ کی محبت کے مستحق ہوں گے۔حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوے سنا: قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ۔(صحیح الجامع الصغیر: 4331) ''اللہ تعالی فرماتا ہے، میری محبت واجب ہوگئی ہے، ان لوگوں کے لیے جو میرے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں، میرے لیے ایک دوسرے کی ہم نشینی اختیار کرتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، اور میرے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں''۔

پانچواں فائدہ :ساری دوستیاں دنیا ہی میں ختم ہوجاتی ہیں مگر وہ دوستی جو تقوی اور پرہیز گاری کی بنیاد پر ہو،اس کا سلسلہ اس دنیا کے بعد آخرت میں بھی برقرار رہے گا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِيْنَ. (الزخرف:67)''اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے''۔

جنتیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَاناً عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ. (الحجر:47)''ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش اور کینہ تھا ہم سب کچھ نکال دیں گے۔ وہ بھائی بھائی بنے ہوئے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیک دوستوں کی صحبت اپنانے اور بروں کی صحبت سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔ ✦✦✦

صحت اور تندرستی

صحت اور تندرستی، اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔عربی کا مقولہ ہے: اَلصِّحَّۃُ تَاجٌ عَلٰی رُؤُوْسِ الْأَصِحَّاءِ لَایَرَاھَا اِلَّاالْمَرْضیٰ. ’’تندرستی صحت مندلوگوں کے سر کا ایسا تاج ہے جو صرف بیماروں کو دکھائی دیتا ہے‘‘۔غالبؔ کی طرف منسوب شعر اپنے اندر بڑی حقیقت رکھتا ہے۔

تنگ دستی اگر چہ ہو غالبؔ　　تندرستی ہزار نعمت ہے

یہ ایسی نعمت ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری نعمت نہیں کر سکتی۔جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو، وہ دنیا کا خوش نصیب انسان ہے۔رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ أَصْبَحَ مِنْکُمْ آمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًی فِیْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَکَأَنَّمَاحِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِھَا ۔(ترمذی: باب قول النبي من أصبح منكم..: 2517) ’’جو شخص اپنے گھر میں امن کے ساتھ صبح کرے، تندرست ہو اور اس کے پاس ایک دن کی بقدر ضرورت خوراک ہو تو گویا اس کے لیے کل دنیا کی نعمتیں جمع کر دی گئیں‘‘۔

حضرت مطرفؒ کہا کرتے تھے: لَأَنْ أُعَافیٰ فَأَشْکُرُ أَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ أَنِ ابْتُلِیَ فَأَصْبِرُ. (مختصر صفۃ الصفوۃ: 280) ’’مجھے صحت عطا ہو، اور اس پر اللہ کا شکر بجالاؤں یہ بہتر ہے اس بات سے کہ میں بیماری یا مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں اور صبر کروں‘‘۔

دین اور دنیا کے بہت سے کام ایسے ہیں، جنھیں انجام دینے کے لیے صحت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم کی پکار پر ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے ایک گھونسا مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔اس غیر ارادی فعل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا افسوس ہوا، فوراً اللہ سے معافی کے طلب گار ہوئے، مگر اس کی اطلاع بادشاہِ وقت کو ہو چکی تھی۔ایک خیر خواہ کے مشورے پر وطن سے نکلے اور اجنبی ملک مدین پہنچ کر ہی سانس لی۔یہاں پانی کے ایک چشمے کے پاس چوپایوں کو سیراب

کرانے والے لوگوں کا ایک ہجوم پایا۔ ذرا فاصلے پر دولڑکیاں انتظار میں تھیں کہ جیسے ہی لوگ فارغ ہوجائیں، وہ بھی اپنے چوپایوں کو سیراب کرالیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور حال دریافت کرکے ان کی مشکل آسان کردی۔ وہ خوشی خوشی گھر پہنچیں اور اپنے والد کو اس اجنبی ہمدرد سے واقف کرایا، جس کی غیر معمولی طاقت وقوت سے بہت متاثر ہوئی تھیں۔ ایک نے کہا: يٰـأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۙ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ. (القصص:26) ''اباجان! اس شخص کو اجرت پر رکھ لیجیے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہوسکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر ایک ایسا دور آیا کہ دشمن ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگے۔ بنی اسرائیل ایک بزدل اور کم زور قوم تھی، میدانِ کارزار میں دشمنوں کے مقابلے میں صف آرا ہونا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس قوم نے اس وقت کے نبی سے مطالبہ کیا کہ کسی تجربہ کار اور ماہر جنگ کو ہمارا قائد اور رہ نما مقرر کیا جائے، تاکہ اس کی قیادت اور سربراہی میں دشمنوں کا منہ توڑ جواب دیا جاسکے۔ نبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارا بادشاہ اور رہ نما مقرر کیا ہے، تم اس کی ماتحتی میں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرو۔ قوم نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا۔ قیادت اور سربراہی کے حق دار تو اس سے زیادہ ہم ہیں۔ اس کے پاس نہ تو مال ودولت ہے اور نہ اسباب و وسائل کی فراوانی۔ نبی نے واضح کیا کہ طالوت کی فضیلت اور برتری کی وجہ علم اور صحت وطاقت ہے: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ. (البقرۃ:247) ''اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارے لیے منتخب کیا ہے اور اسے تم سے زیادہ علم اور طاقت وقوت عطا کی ہے''۔

زندگی میں کچھ کرگزرنے کے لیے تندرست جسم کی بڑی اہمیت ہے۔ بیمار اور کم زور جسم کے ساتھ اس دنیا میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ناتواں مومن کے مقابلے میں طاقت ور اور صحت مند مومن کی تعریف کی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّأَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ۔ (مسلم: باب فی الأمر بالقوة وترك العجز) ''طاقت

ور مومن اللہ کے نزدیک کم زور مومن سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے‘‘

اسلام نے صحت کی قدر کرنے اوراس کی حفاظت کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے،رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ ،شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغُلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ ۔(صحیح الترغیب والترھیب :باب الترغیب فی التوبة والمبادرة بها :3355)’’پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو،جوانی کو بڑھاپے سے پہلے،صحت کو بیماری سے پہلے،مال داری کو فقر وفاقہ سے پہلے،فرصت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے‘‘۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے:اِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا أَصْبَحْتَ فَلَاتَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ ۔(بخاری: كتاب الرقاق: باب قول النبی کن فی الدنیا كأنك غريب :6416)’’شام ہوجائے تو صبح کا انتظار مت کرو،صبح کی کرن نمودار ہو تو سورج کے ڈوبنے کا انتظار مت کرو،تندرستی سے بیماری کے لیے اور زندگی سے موت کے لیے سامانِ سفر لے لو‘‘۔

دولت اللہ کی ان نعمتوں میں سے ہے جو اللہ کے نیک بندوں کے لیے توشۂ آخرت اور زادِراہ کا کام دیتی ہے مگر اس کا حقیقی فائدہ بھی اسی وقت ہوگا جب کہ صحت سلامت رہے،اسی لیے آپؐ نے صحت کو مال سے بہتر نعمت قرار دیا ہے۔چناں چہ آپؐ کا ارشاد ہے:لَابَأْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ خَيْرٌ مِّنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ ۔(ابن ماجہ: کتاب التجارة:باب الحث على المكاسب: 2224)’’متقی بندے کے لیے مال ودولت جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ،مگر صحت اور تندرستی متقی کے لیے دولت سے بہتر نعمت ہے،طبیعت کی تازگی اور بشاشت بھی ایک نعمت ہے‘‘۔

اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ صحت کی قدر اور حفاظت کے معاملے میں غفلت برتتے ہیں اور شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کو برباد کردیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ ۔ (بخاری: باب ماجاء فی الرقاق.. :6412) ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی اکثر لوگ ناقدری کرتے ہیں، صحت اور تندرستی اور فرصت کے اوقات''۔

قیامت کے دن ہر انسان سے اس عظیم نعمت کے بارے میں سوال ہوگا۔ سورۂ تکاثر کی آیت: لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (پھر ضرور اُس دن تم سے اِن نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی ہوگی) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: اَلنَّعِيْمُ: صِحَّةُ الْأَبْدَانِ وَالْأَسْمَاعِ وَالْأَبْصَارِ (تفسیر طبری وابن کثیر) ''نعمت سے مراد صحت مند جسم، آنکھ اور کان ہیں''۔

صحت کو بنانے اور بگاڑنے میں غذا کا بہت ہی اہم کردار ہوتا ہے۔ اچھی اور متوازن غذا اگر جسم کو صحت مند بناتی ہے تو خراب اور غیر معتدل غذا صحت کو متاثر کرتی ہے۔ اسلام نے صحت بخش غذائیں کھانے کا حکم دیا ہے اور ہر اس غذا سے منع کیا ہے جو ایمان واخلاق اور صحت کو متاثر کرتی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ. (المائدہ: 88) ''جو کچھ حلال وطیب رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اُسے کھاؤ پیو اور اُس اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو''۔

اسلام نے کھانے پینے کے جو آداب بتائے ہیں، اگر غور کیا جائے تو ان میں صحت کے اصول پوشیدہ ہیں۔ کم خوری صحت کا ایک اہم اصول ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ. بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَامَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ ۔ (ترمذی: کتاب الزھد، باب ماجاء فی کراھیة کثرة الأکل :2554) ''انسان نے اپنے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں بھرا، انسان کو زندہ رکھنے کے لیے

چند لقمے کافی ہیں، اگر ضروری ہو تو ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے‘‘۔

معدے کا فساد کئی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ اس حدیث پر عمل ہو تو معدہ ٹھیک رہ سکتا ہے، اور آدمی ان ساری بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو معدہ کی خرابی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

شکم پروری مسلمان کا شیوہ نہیں ہوتا، یہ تو دنیا پرستوں کا شعار ہے۔ آپؐ نے مومن کی یہ صفت بتائی کہ اس کی خوراک کم ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَأْكُلُ فِیْ مِعیٍّ وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ یَأْكُلُ فِیْ سَبْعَةِ اِمْعَاءٍ. (بخاری: کتاب الأطعمة: باب المؤمن یأکل فی معی واحد: 5393) ’’مومن کا کھانا ایک آنت میں ہوتا ہے اور کافر سات آنتوں میں بھرتا ہے‘‘۔

ضرورت سے زیادہ کھانا صحت کے لیے مضر اور نقصان دہ ہے۔ عام طور پر صحت غذاؤں میں بے احتیاطی ہی کی وجہ سے متاثر ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس سے روکا گیا ہے، ارشادِ باری ہے: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا. اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ. (الأعراف: 31) ’’اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا‘‘۔

بعض اطبا نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مختصر سے جملہ میں طب کا آدھا علم بیان کر دیا ہے، کیوں کہ اکثر امراض خوراک کی زیادتی اور بے احتیاطی ہی سے ہوتے ہیں۔ (تیسیر القرآن: 43/2)

پاکی صفائی کا اہتمام بھی انسانی صحت کی حفاظت کے لیے بہت اہم ہے، اسی لیے اسلام نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ۔ (مسلم: باب فضل الوضؤ: 556) ’’پاکی صفائی آدھا ایمان ہے‘‘۔

پاکی صفائی کو اسلام نے انسانی فطرت کا تقاضا قرار دیا۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: خَمْسٌ مِّنَ

الْـفِـطْـرَـةِ،اَلْـخِتَـانُ وَالْإِسْتِـحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْأَظَافِرِ وَنَتْفُ الْإِبِطِ ۔(مسلم:باب خصال الفطرۃ :620)''پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں،ختنہ کرانا،زیرِ ناف بال کی صفائی،مونچھ ترشوانا،ناخن کٹوانا اور بغل کے بال صاف کرنا''۔

نماز ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے۔یہ عبادت اسی وقت دربارِ الٰہی میں قبول ہوگی جب کہ نمازی کا بدن ،کپڑے اور جگہ پاک ہو۔قبولیتِ نماز کے لیے وضو کو بھی ضروری قرار دیا گیا، بے وضو پڑھی جانے والی نماز قبول نہیں ہوتی۔وضو کے بے شمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ جسم کو بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔جدید طب کا کہنا ہے کہ اس کے اہتمام سے انسان جلدی کینسر سے محفوظ رہتا ہے۔جلدی امراض اور کینسر کے مریضوں کا سروے کیا گیا،اکثریت غیر مسلموں کی تھی جن کے پاس وضو اور طہارت کا اہتمام نہیں تھا۔(علاقۃ الصحۃ بدین الاسلام،خطب و محاضرات للشیخ سعیدبن مسفر)

اس ترقی یافتہ دور میں بھی پیشاب کے بعد پاکی صفائی کے اہتمام کو ضروری نہیں سمجھا جاتا،جب کہ ڈاکٹروں کا کہنا کہ پیشاب کے بعد پاکی صفائی کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے مختلف قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔اسلام نے روزِ اول سے مسلمانوں کو اس کا پابند بنایا اور اس میں غفلت کو کبیرہ گناہ اور عذابِ قبر کا باعث قرار دیا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:عَامَّةُ عَذَابِ الْقَبَرِ فِی الْبَوْلِ فَاسْتَنْزِهُوْامِنَ الْبَوْلِ (صحیح الترغیب والترھیب:159)''قبر کا اکثر عذاب استنجا میں بے احتیاطی کی وجہ سے ہوتا ہے، لہذا پیشاب کے بعد پاکی حاصل کرلیا کرو۔

کم سے کم ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کرنا ضروری ہے۔آپ ؐ کا ارشاد ہے:غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ ۔(بخاری:باب فضل الغسل یوم الجمعۃ:879)''جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ مسلمان پر واجب ہے''۔

جسم اور بدن کی پاکی کے ساتھ کپڑوں کی پاکی،گھر اور ماحول کی پاکی کا بھی حکم دیا گیا،کیوں کہ

انسان کی صحت پر ان کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں ـــــ کھانے پینے کی چیزوں کو اور استعمال کے برتنوں کو ناپاک جانوروں سے بچانے کا حکم دیا گیا۔ اگر کسی برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس پر پانی بہانے اور سات مرتبہ برتن کو اچھی طرح دھونے کا حکم دیا گیا۔ (مسلم: بـــاب حــکــم ولــوغ الكلب: 674)

رسول اکرم ﷺ نے یہ تاکید بھی فرمائی ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں ڈھک کر رکھی جائیں، تاکہ گرد و غبار سے اور کیڑے مکوڑوں سے حفاظت ہو سکے۔ حضرت ابوحمید الساعدیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں دودھ کا پیالہ لایا گیا، پیالہ ڈھکا ہوا نہیں تھا۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے اسے ڈھکا نہیں، کچھ نہیں تو لکڑی کا ایک ٹکڑا ہی اس پر رکھ دیتے۔ (مسلم: کتاب الاشربۃ)

اسلامی عبادات کا بھی انسان کی صحت کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ہے۔ نماز اور روزہ کے طبی فوائد پر اہلِ علم نے بہت کچھ لکھا ہے، جن میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔

اسلام نے عبادات میں بے اعتدالی سے بھی روکا ہے تاکہ صحت متاثر نہ ہو۔ آپؐ کا ارشاد ہے: عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ فَوَاللهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوا ۔ (بخاری: باب أحب الدين إلى الله عزوجل أدومه : 43) ''اتنا ہی عمل کرو، جتنے کی تم استطاعت رکھتے ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا مگر عبادتیں کرتے کرتے تم تھک جاؤ گے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے عبادت گزار صحابی تھے، انھوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں زندہ رہوں گا دن میں روزہ رکھوں گا اور رات نمازوں میں گزاروں گا۔ آپؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا: فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا .(بخاری: باب حق الجسم فی الصوم: 1975) ''اس طرح مت کرو، کبھی روزہ رکھو، کبھی ترک کرو، (رات کا کچھ حصہ) آرام کرو (اور کچھ حصہ) قیام کرو، کیوں کہ تم پر اپنے جسم کا، اپنی آنکھوں کا، اپنی بیوی کا اور اپنے ملاقاتیوں کا

حق ہے''۔

بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں۔اگر احتیاط نہ برتی جائے تو اس کے اثرات پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے،اسی لیے ایسے موقع پر احتیاط برتنے اور احتیاطی تدابیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔چناں چہ آپؐ کا ارشاد ہے:اِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُوْنِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوْهَا۔ (مسلم:باب مایذکرفی الطاعون)
''جب تمھیں یہ خبر ملے کہ فلاں شہر میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو اس میں داخل مت ہونا''۔

حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں ملک شام جا رہے تھے۔راستے میں ایک شہر عمو کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں پلیگ کی وبا پھیلی ہوی ہے۔آپؓ نے ساتھیوں سے کہا: ہم اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔کسی نے اعتراض کیا: کیا تقدیر الٰہی سے بھاگ رہے ہو؟ فرمایا: ہاں !اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر کی طرف جا رہا ہوں۔یعنی جس طرح بیماری تقدیر کا حصہ ہے،اسی طرح بیماری سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنا بھی تقدیر کا حصہ ہے۔پھر آپؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کسی کو اس سلسلے کی کوئی حدیث یاد ہے؟ایک صحابی نے مذکورہ حدیث سنائی۔جس سے حضرت عمرؓ کے موقف کی تائید ہوی،اس پر آپؓ نے اللہ کا شکر بجالایا۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ قبیلۂ ثقیف کا ایک وفد قبولِ اسلام کی غرض سے حاضر ہوا۔ آپؐ نے تمام سے بیعت لی۔اس میں ایک کوڑھی کا مریض تھا۔آپؐ نے اس سے بیعت نہیں لی، بلکہ قافلہ والوں سے کہا کہ اس سے کہہ دو کہ ہم نے اس کی بیعت قبول کر لی ہے۔(مسلم:باب اجتناب المجذوم ونحوه)

اپنی صحت کی حفاظت کا ایک اہم ذریعہ دعا بھی ہے۔حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے،آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے،اور آپؐ یہ فرماتے جا رہے تھے:سَلُوااللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَاِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَالْيَقِيْنِ خَيْرًا مِّنَ الْعَافِيَةِ۔(صحیح الترغیب والترهیب: 3387)''اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور صحت وعافیت طلب کرو،کیوں کہ کسی انسان

کوایمان ویقین کے بعد صحت وعافیت سے بہتر کوئی نعمت عطانہیں کی گئی''۔

ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کی کہ سب سے افضل دعابتائیے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ سے دنیاوآخرت میں صحت طلب کرو۔ وہ شخص دوسرے دن پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے وہی جواب دہرایا: سَلِ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ فَإِذَا أُعْطِيْتَ الْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ فَقَدْ أَفْلَحْتَ ۔ (صحیح الادب المفرد: 637) ''اللہ سے دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرو، کیوں کہ اگر تمھیں دنیاوآخرت میں صحت وعافیت نصیب ہوگئی تو تم کامیاب ہوجاؤ گے''۔

صحت اور تندرستی کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں بہت سی تعلیمات وارد ہیں۔ اُن میں سے چند یہاں پیش کی گئیں، جن سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحت کی قدر کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

بیماری، اسلام کی نظر میں

دنیا میں ہر انسان کو وقتاً فوقتاً جن مسائل سے سابقہ پڑتا رہتا ہے ان میں سے ایک بیماری بھی ہے۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ صحت منداور تندرست رہتا ہو۔ چھوٹی یا بڑی بیماری سے ہر ایک دو چار ہوتا ہی رہتا ہے۔ بیماری ایک ایسی چیز ہے جس کا نام سنتے ہی عام طور پر انسان گھبرا جاتا ہے۔ ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ صحت مند رہے مگر بیماری کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بیماری کافر ومشرک کے حق میں اللہ کا عذاب ہوسکتی ہے مگر مومن اور مسلمان کے حق میں کسی نعمت سے کم نہیں۔ احادیث میں بیماری کے بہت سے فوائد ذکر کیے گئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(1) بیماری گناہوں کا کفارہ بنتی ہے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مِّنْ مَّرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔ (بخاری: باب اشدالناس بلاء الأنبياء ...: 5648) ''مسلمان کو جو بھی بیماری یا اس سے بھی کم کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو اسی طرح زائل کر دیتا ہے جیسے سوکھے پتوں کو درخت جھڑا دیتا ہے''۔

بیماری جتنی بڑی ہوتی ہے، اسی قدر وہ گناہوں کے دھلنے اور مٹانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ موجودہ دور میں ایسی خوف ناک اور خطرناک بیماریاں وجود میں آئی ہیں، جن کا نام سن کر ہی وحشت طاری ہوتی ہے، مگر یہ بیماریاں اہلِ ایمان کی مغفرت کا ذریعہ بنتی ہیں، اس لیے مومن کو ان بیماریوں سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِفِيْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ. (ترمذی: باب الصبر علی البلاء: 2579) ''اللہ تعالیٰ مومن مرد اور عورت کو جان، مال اور اولاد کے ذریعے آزماتا رہتا ہے، یہاں تک کہ روزِ قیامت جب وہ اللہ کے دربار میں پہنچتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ باقی

نہیں رہتا''۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیماری کو برا بھلا کہنے یا اسے برا سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ حضرت ام السائبؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ بخار کی وجہ سے کپکپا رہی تھیں۔ آپؐ نے حال دریافت کیا تو وہ بخار کو برا بھلا کہنے لگیں۔ آپؐ نے فرمایا: لَا تَسُبِّی الْحُمّٰی ، فَاِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ ۔(مسلم: باب ثواب المؤمن فیمایصیبه من مرض: 6735) ''بخار کو برا بھلا مت کہو، بے شک وہ ابن آدم کے گناہوں کو ویسے ہی دور کرتا ہے جیسے لوہے کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے''۔

ہر مومن سے چھوٹے موٹے گناہ سرزد ہو ہی جاتے ہیں۔ مومن کو لاحق ہونے والی یہ بیماریاں ان گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ جب سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوی: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ . (النساء: 23) ''جو کوئی برا کام کرے گا، اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا''۔ تو حضرت ابوبکرؓ پریشان ہو کر اللہ کے رسول ﷺ سے کہنے لگے: اگر ہر چھوٹے موٹے گناہ پر ہماری گرفت کی جائے تو ہمارا جینا دوبھر ہو جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تمھارا بھلا کرے، کیا تمھیں کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی؟ کیا تمھیں کوئی غم نہیں ہوتا؟ کیا تمھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچتی؟ انھوں کہا: ہاں، یہ سب تو ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہی عوارض تمھارے ان چھوٹے موٹے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں''۔ (صحیح الترغیب والترھیب: باب الترغیب فی سؤال العفو والعافیة)

(2) بیمار کے اجروثواب میں اضافہ: بیماری کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مومن کے اجروثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔ بیماری جس قدر بڑی ہوگی، اجروثواب بھی اسی قدر عظیم ہوگا۔ آپؐ کا ارشاد ہے: اِنَّ مِنْ عِظَمِ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ ۔(ترمذی: باب ماجاء فی الصبر علی البلاء: 2576) ''بے شک آزمائش جتنی بڑی ہوگی، بدلہ بھی اتنا ہی عظیم ہوگا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ

بخار کی وجہ سے آپؐ کا جسم تپ رہا تھا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ کا جسم تو بڑی شدت سے تپ رہا ہے! آپؐ نے فرمایا: ہاں! مجھے بخار کی وجہ سے اتنی تکلیف لاحق ہوتی ہے جتنی تم میں سے دو آدمیوں کو لاحق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: تب تو آپ کو دوہرا اجر ملتا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں''۔(مسلم:باب ثواب المؤمن فیمایصیبه من مرض:6724)

روزِ قیامت بیماروں اور مصیبت زدہ لوگوں کے اجر وثواب کو دیکھ کر صحت مند لوگ تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی دنیا میں آزمائے گئے ہوتے تو دنیاوی آزمائشیں ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتیں ،جیسا کہ آپؐ نے فرمایا: يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بَالْمَقَارِضِ ۔''صحت مند لوگ قیامت کے دن دنیا میں بیماری یا مصیبت میں مبتلا لوگوں کے اجر وثواب کو دیکھیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہمارے جسم قینچیوں سے کاٹ دیے جاتے''۔(ترمذی:باب مامن أحد یموت إلاندم:2582)

(3) بیمار پر یہ اللہ کا خصوصی فضل اور انعام ہے کہ وہ تندرستی کی حالت میں جن نیکیوں کا اہتمام کیا کرتا تھا، بیماری کی وجہ سے ان کا التزام نہ کرنے پر بھی اس کو اس کا اجر وثواب دیا جاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:''بندہ جب بیمار ہوجاتا ہے یا سفر پر نکل پڑتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں ان اعمال کا اجر وثواب لکھ دیا جاتا ہے جو وہ تندرستی اور قیام کی حالت میں کیا کرتا تھا، اور اب بیماری یا سفر کی وجہ سے انجام نہیں دے پا رہا ہے''۔(بخاری: باب یکتب للمسافر مثل ما کان یعمل فی الإقامة:2996)

(4) بیماری حصولِ جنت کا ذریعہ ہے: جو لوگ بیماری میں صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں، اس کے عوض اللہ تعالیٰ انھیں جنت نصیب کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، ایک صحابیہؓ نے خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اللہ کے رسول! مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے، جس سے بسا اوقات میرے کپڑے ہٹ جاتے ہیں، آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ (اس بیماری سے نجات مل

جائے)۔آپؐ نے فرمایا:اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ فَلَكِ الْجَنَّةُ وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ تَعَالىٰ أَنْ يُّعَافِيَكِ ۔ ''اگرتم چاہوتو اس بیماری پرصبر کرو،اس کے بدلے اللہ تمھیں جنت عطا کرے گا اوراگرتم چاہتی ہوتو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمھیں صحت دے''۔(جنت کی بشارت سن کر)اس عورت نے کہا: میں اس بیماری پرصبر کرلوں گی،البتہ آپؐ اللہ سے یہ دعافرمائیں کہ جب یہ دورہ پڑے تو میری ستر نہ کھلے''۔آپؐ نے اس کے لیے دعافرمائی''۔(بخاری:کتاب المرضی:باب فضل من یصرع من الریح:5652)

(5) بیمار کواللہ کاتقرب حاصل ہوتا ہے: حدیثِ قدسی ہے،قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے کہے گا:اے ابن آدم! میں بیمار تھا،تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا:اے میرے رب تو تو رب العالمین ہے،تو کیسے بیمار ہوسکتا ہے؟اور میں کیسے تیری عیادت کرسکتا ہوں؟اللہ تعالیٰ کہے گا: أَمَاعَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِىْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهُ لَوَجَدْتَنِىْ عِنْدَهُ۔میرافلاں بندہ بیمار تھا،اگرتو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔(مسلم:باب فضل عیادۃ المریض:6721)

(6) درجات کی بلندی: بیماری کاایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مومن کے درجات کو بلند فرماتا ہے،جیسا کہ ارشادِنبوی ہے:اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِىْ جَسَدِهِ أَوْ فِىْ مَالِهِ أَوْ فِىْ وَلَدِهِ ثُمَّ صَبَرَهُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِىْ سُبِقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ ۔(ابوداؤد:باب الأمراض المكفرة:3092)''بندے کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں کوئی مقام لکھ دیتا ہے،اور وہ اپنے عمل کے ذریعے اس درجے تک نہیں پہنچ پاتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی جان ،مال یااولاد کے ذریعے آزماتا ہے ،پھراس پراسے صبر کی توفیق عطا فرماتا ہے،یہاں تک کہ وہ اس مقام تک پہنچ جاتا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کردیا ہے''۔

ان فضیلتوں کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی اللہ سے بیماری مانگے،یا بیمار ہو تو اس کا علاج نہ کرائے۔

اسلام تو اپنے متبعین کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ جب کبھی وہ چھوٹی یا بڑی بیماری میں مبتلا ہوں تو فوراً اس کے ازالے کی کوشش کریں۔ بیماری کے ازالے کا سب سے اہم ذریعہ علاج ہے۔ اسلام نے علاج پر زور دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَـا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً ۔ (ابن ماجہ :کتاب الطب:باب ماأنزل الله داء: 3564)''اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں نازل کی، جس کی دوا نازل نہ کی ہو''۔

بعض لوگ علاج معالجے کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے پوچھا تھا: هَلْ عَلَيْنَا حَرَجٌ أَنْ لَّا نَتَدَاوىٰ ؟ اگر ہم علاج نہ کرائیں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: تَـدَاوَوْا عِبَـادَاللّٰـهِ! فَـاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً اِلَّا الْهَرِمَ. (ابن ماجہ: کتاب الطب:باب ماأنزل الله داء :3562)''اللہ کے بندو! علاج کیا کرو، کیوں کہ اللہ نے کوئی بھی بیماری ایسی نہیں پیدا کی، جس کا علاج اور جس کی شفا نہ ہو، سوائے بڑھاپے کے''۔

دعا : بیماری کے ازالے کا ایک اہم ذریعہ دعا ہے۔ بیماری اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے اور شفا کا مالک بھی اللہ ہی ہے، اس لیے علاج کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا خاص اہتمام بھی ضروری ہے۔ حضرت ایوبؑ کو جب اللہ تعالیٰ نے بیماری کے ذریعے آزمایا تو اس موقع پر انھوں نے دعا کی: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (الأنبیاء:83)''(پروردگارا!) مجھے تکلیف دہ بیماری لاحق ہوگئی ہے اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے''۔ اللہ نے انھیں اس بیماری سے نجات دلائی۔

اللہ کے رسول ﷺ جب کبھی بیمار ہوتے تو آپؐ مختلف دعائیں پڑھ کر اپنے جسم پر پھیر لیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: كَـانَ اِذَا اشْتَكىٰ يَقْرَأُ عَلىٰ نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجْـعُـهُ كُـنْـتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ عَلَيْهِ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرْكَتِهَا ۔(بخاری:بـاب فضل المعوذات : 5016)''جب آپؐ کو کوئی بیماری لاحق ہوتی تو آپؐ معوذات (قـل هـو اللـه احد،قل أعوذ برب الـفـلق اور قـل أعـوذ بـرب النـاس) پڑھ کر اپنے جسم پر دم کر لیتے جب آپؐ کی تکلیف بڑھ گئی تو میں

معوذات پڑھتی اور آپؐ کے ہاتھوں سے آپ کے جسم پر پھیرتی، تاکہ آپؐ کے ہاتھوں کی برکت سے شفا حاصل ہو''۔

حضرت عثمان بن عاصؓ نے رسول ﷺ سے شکایت کی کہ قبولِ اسلام کے بعد سے میرے جسم میں ایک پھوڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اپنا ہاتھ اس جگہ پر رکھو، جہاں درد ہے، پھر تین مرتبہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' کہو اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھو: اَعُوۡذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدۡرَتِہٖ مِنۡ شَرِّمَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔ (مسلم: باب استحباب وضع يده على موضع الألم مع الدعاء :5867) ''میں اللہ کی عزت وقدرت کی پناہ میں آتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں پاتا ہوں اور جس سے میں ڈرتا ہوں''۔

صدقات وخیرات : بیماری کو دور کرنے کا ایک ذریعہ صدقہ ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے :دَاوُوۡا مَرۡضَاکُمۡ بِالصَّدَقَۃِ ۔(صحیح الجامع الصغیر:3358) ''صدقات کے ذریعے اپنے بیماروں کا علاج کراؤ''۔

ایک شخص حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک زخم ہے، میں نے ہر طریقے کا علاج کرایا اور ماہر طبیبوں سے رجوع کیا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ انھوں نے جواب دیا کہ فلاں قبیلے میں پانی کی شدید ضرورت ہے، وہاں ایک کنواں کھدوا دو، امید ہے کہ وہاں پانی کا چشمہ پھوٹے اور تمھارا یہ زخم چنگا ہو جائے''۔(الترغیب والترھیب)

یہ سب بیماری کو دور کرنے کے وسائل ہیں۔ ان کے استعمال سے بیماری دور ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے شفا نصیب کیا ہے، اور اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے۔ اور اگر بیماری دور نہ ہو تو اس پر صبر کرنا چاہیے، اور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بیماریوں کے ذریعے بھی آزماتا ہے، چناں چہ ارشاد ہے: وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ،الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ (البقرۃ:156،155) ''اور ہم تمھیں آزمائیں گے کچھ

ڈر اور خوف سے اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی سے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجیے، جن کا یہ حال ہے کہ جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بے شک اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ بیماری اللہ کے حکم سے آتی ہے اور شفا بھی اسی کی مرضی سے ملتی ہے۔قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے:وَاِذَا مَرِضۡتُ فَھُوَ یَشۡفِیۡنِ. (الشعراء:80)''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے''۔

بندے کو اس بات پر بھی یقین رکھنا چاہیے کہ دوا بھی اللہ ہی کے حکم سے اثر کرتی ہے۔جب تک اللہ کا حکم نہ ہو کوئی دوا کسی کو فائدہ نہیں کرتی۔چناں چہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیۡبَ دَوَاءٌ الدَّاءَ بَرَاَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۔(مسلم:باب لکل داء دواء..: 5871)''ہر بیماری کی دوا موجود ہے۔اور جب دوا مرض کے موافق ہو جائے تو اللہ کے حکم سے شفایابی حاصل ہوتی ہے''۔

اس حقیقت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے بعض کم علم لوگ بیماریوں کے موقع پر صبر سے کام نہیں لیتے۔ان کی جلد بازی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ بیماری سے شفایابی کے لیے غلط طریقے تک اپنانے سے نہیں چوکتے، حالانکہ ناجائز اور حرام طریقوں سے بیماری ختم نہیں ہوتی بلکہ اس میں مزید اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بظاہر کبھی وقتی طور پر راحت مل بھی جائے تو یہ کون سی عقل مندی ہے کہ آدمی دین وایمان کا سودا کر کے شفا حاصل کرلے۔ایسی صحت کسی کام کی جو ایمان کی قیمت پر حاصل کی جائے۔اسی لیے اسلام نے مسلمانوں کو حرام اور ناجائز طریقوں سے علاج کرانے سے منع کیا ہے۔عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:اِنَّ اللّٰہَ لَمۡ یَجۡعَلۡ شِفَاءَ کُمۡ فِیۡمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمۡ۔ (بخاری:باب شراب الحلوی والعسل)''اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمھارے لیے شفا نہیں رکھی ہے''۔

حضرت طارق بن سوید حضرمیؓ نے نبی کریم ﷺ سے شراب تیار کرنے کے سلسلے میں پوچھا تو آپؐ نے انھیں منع فرمایا۔انھوں نے عرض کیا کہ میں اسے دوا میں استعمال کرتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا:

اِنَّـهُ لَيْـسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ ۔ ''یہ شفا نہیں بلکہ یہ تو خود بیماری ہے''۔(مسلم: کتـاب الاشربة: باب تحریم التداوی بالخمر: 5256)

موجودہ دور میں مختلف اسباب کی وجہ سے بیماریوں کی بھرمار ہے۔آئے دن نئی نئی بیماریوں کے نام سننے اور پڑھنے کو ملتے ہیں۔شعورِصحت کے فقدان، ناقص غذا، صاف ستھری ہوا کی کمی، آرام پسند طرزِ زندگی، ٹینشن، ڈپریشن، اور غلط قسم کی عادتوں وغیرہ کی وجہ سے انسان بعض اوقات ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے جن کی نہ فوری تشخیص ہو پاتی ہے اور نہ علاج۔ایسی صورت میں بعض لوگ علاج کے نام پر جادوگروں، عاملوں اور کاہنوں کا رُخ کرتے ہیں، نتیجے میں دین ودنیا دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں بلکہ بعض اوقات عورتوں کی عزتیں بھی داؤ پر لگ جاتی ہیں۔اس سلسلے کے بے شمار واقعات آئے دن سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں، مگر اس کے باوجود سماج میں کوئی سدھار دیکھنے میں نہیں آتا۔لوگ اندھا دھند اس قسم کے ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ رہے ہیں۔اس سلسلے میں ہمارے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنے کی سخت ضرورت ہے۔اسلام نے مستند اطبا ہی سے علاج کرانے کی تعلیم دی ہے۔

غلط طریقوں سے علاج معالجے کا معاملہ دینی اعتبار سے بھی نہایت حساس ہے۔غیر شرعی جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں سے خود بھی بچنا اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرنا بے حد ضروری ہے۔

بیماری میں شکر کا پہلو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں، اگر ان پر نظر ہو تو بندہ ہمیشہ شکر بجا لائے گا۔حضرت عروہ بن زبیرؓ کے پیر میں زخم ہوا۔طبیبوں نے پیر کاٹنے کا مشورہ دیا کہ علاج کے لیے یہ ضروری ہے، ورنہ مرض پورے جسم میں سرایت کر جائے گا۔اس دوران انھیں خبر ملی کہ ان کا ایک بیٹا چھت سے گر کر فوت ہوگیا ہے۔حضرت عروہؓ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یوں فریاد کرتے ہیں: اَللّٰهُـمَّ كَـانَ لِيْ بَنُوْنَ سَبْعَةٌ فَأَخَذْتَ وَاحِدًا وَأَبْقَيْتَ سِتَّةً وَكَانَ لِيْ أَطْرَافٌ أَرْبَعَةٌ فَـأَخَـذْتَ طَـرَفًـا وَأَبْـقَيْـتَ ثَلَاثَةً ۔وَلَـئِـنْ ابْتَـلَيْـتَ فَـقَـدْ عَـافَيْـتَ وَلَئِنْ أَخَذْتَ فَـأَبْقَيْتَ. (المؤمن بین الصحۃ والمرض) ''اے اللہ! تو نے مجھے سات لڑکے عطا کیے تھے، اس میں سے

ایک تو نے لے لیا، تیرا شکر ہے کہ چھے تو میرے پاس صحت و عافیت کے ساتھ موجود ہیں۔تو نے مجھے دو پیر اور دو ہاتھ دیے تھے، ایک تو نے لے لیا، تیرا شکر ہے کہ تین تو میرے پاس سلامتی کے ساتھ ہیں''۔

بیماری کے سلسلے میں یہ چند اسلامی تعلیمات تھیں۔ہمیں ان تعلیمات پر مزید غور کرنا چاہیے اوران پرعمل کرنا چاہیے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں اسلامی تعلیمات کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦

بیمار کی عیادت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کچھ اس طرح بنائی ہے کہ وہ دوسرے انسانوں سے بے نیاز ہو کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسان اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں دوسروں کی مدد اور تعاون کا محتاج ہوتا ہے۔ اسلام نے ضرورت کے وقت دوسروں کے کام آنے، ان کا تعاون کرنے اور ہاتھ بٹانے کی تعلیم دی ہے۔ اور ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانوں پر کچھ حقوق بتائے ہیں، جن میں سے ایک اہم حق بیمار کی عیادت ہے۔ چناں چہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ، رَدُّالسَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ ۔(بخاری: باب الأمر باتباع الجنائز: 1240)''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، نمازِ جنازہ میں شرکت کرنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا''۔

بیماروں کی عیادت کرنا معاشرے کے ہر فرد کا اخلاقی فریضہ ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ ۔(ابوداؤد: کتاب الجنائز: باب الدعاء للمريض بالشفاء غير العيادة: 3107)''بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو رہا کراؤ''۔

بیمار کی عیادت کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مریض کی عیادت کرنے والا واپس لوٹنے تک جنت کے باغ میں رہتا ہے''۔ (مسلم: باب فضل عيادة المريض)

بیمار پرسی کرنے والوں کے حق میں فرشتے دعاے خیر کرتے رہتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ

کا خصوصی انعام ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: إِذَا عَادَ الرَّجُلُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ مَشٰى فِيْ خُرَافَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَجْلِسَ فَإِذَا جَلَسَ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ فَإِنْ كَانَ غُدْوَةً صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ وَإِنْ كَانَ عَشِيًّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ ۔(صحیح الجامع الصغیر :682)''جب کوئی مسلمان اپنے بیمار بھائی کی عیادت کے لیے نکلتا ہے تو گویا وہ جنت کے باغات کی سیر کرتا رہتا ہے، جب وہ اس کے پاس جا کر بیٹھتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے، اور اگر صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعاے خیر کرتے رہتے ہیں اور شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعاے خیر کرتے رہتے ہیں''۔(صحیح الجامع الصغیر:682)ایک دوسری روایت میں ہے کہ سارا دن فرشتے اس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں۔(صحیح الجامع الصغیر:5717)

فرشتے ایسے لوگوں کو مبارک بادی دیتے ہوے جنت کی خوش خبری سناتے ہیں۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا ۔(ترمذی:باب زيارة الإخوان :2139)''جب کوئی کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ آواز لگاتا ہے کہ تمھارے لیے مبارک بادی ہے، تمھارا چلنا مبارک ہو، بے شک تم نے جنت میں اپنے لیے ایک محل بنا لیا''۔

بیماروں کی عیادت سے غفلت برتنا اللہ کی ناراضی کا سبب ہے۔حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے کہے گا: يَا ابْنَ آدَمَ !مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ ۔اے ابن آدم ! میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی؟ بندہ کہے گا: اے میرے رب! تو تو رب العالمین ہے، تو کیسے بیمار ہوسکتا ہے؟ اور میں تیری کیسے عیادت کرسکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا فَمَرِضَ فَلَمْ تَعُدْنِيْ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهُ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهُ ۔''کیا تجھے خبر نہیں تھی کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا؟ تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی

عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟''۔(مسلم:باب فضل عیادۃ المریض:6721)

اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرامؓ کو بیمار کی عیادت پر مختلف انداز میں ابھارتے تھے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے چار سوالات کیے، جن کا مقصود ان اعمال کی طرف توجہ دلانا تھا۔آپ ﷺ نے دریافت کیا: آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟ کس نے آج مسلمان بھائی کی نمازِ جنازے میں شرکت کی؟ کس نے غریب کو کھانا کھلایا اور کس نے بیمار کی عیادت کی؟ ان تمام سوالات کے جواب میں سب خاموش رہے۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں نے آج یہ سارے کام انجام دیے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایک دن میں یہ چاروں اعمال انجام دے، یقیناً وہ جنتی ہے''۔ (مسلم:باب من فضائل ابی بکرالصدیقؓ:6333)

اللہ کے رسول ﷺ اپنی عظیم ذمہ داریوں، دینی مصروفیتوں اور گھریلو مشغولیتوں کے باوجود بیماروں کی عیادت کے لیے وقت نکالتے تھے۔حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں: كَانَ يَأْتِيْ ضُعَفَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ وَيَزُوْرُهُمْ وَيَعُوْدُ مَرْضَاهُمْ وَيَشْهَدُ جَنَائِزَهُمْ ۔(الجامع الصغیر وزیادتہ:4877)'' آپ ﷺ کم زور مسلمانوں کے پاس جاتے، ان سے ملاقات کرتے، ان کے بیماروں کی عیادت کرتے اور ان کے جنازوں میں شریک ہوتے''۔

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ لوگوں میں سب سے بہترین عیادت کرنے والے تھے'' (نسائی: کتاب الجنائز، باب عدد التکبیر علی الجنازۃ:1993)

آپ ﷺ معاشرے کے تمام افراد کی عیادت کرتے تھے، چھوٹے کی، بڑے کی، مرد اور عورت کی، امیر اور غریب کی، مسلم اور غیر مسلم کی، اپنوں کی، غیروں کی، یہود اور منافقوں کی یہاں تک کہ دشمنوں کی بھی آپ ﷺ نے عیادت کی۔حضرت سہل بن حنیفؓ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ غربا و مساکین کی عیادت کے لیے جایا کرتے تھے اور ان کا حد درجہ خیال رکھتے تھے۔چناں چہ ایک غریب عورت بیمار ہوی تو اس کی عیادت کے لیے جاتے رہے۔اسی بیماری میں اس کا انتقال ہوگیا، صحابہ کرامؓ

نے اس خیال سے کہ آپ ﷺ کو تکلیف نہ ہو اس کی اطلاع نہیں دی اور نمازِ جنازہ پڑھا کر دفنا دیا۔ جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوی تو اطلاع نہ دینے پر آپ ﷺ نے ناراضی کا اظہار کیا، اس کی قبر کے پاس تشریف لے گئے اور نمازِ جنازہ ادا کی‘‘۔(مؤطا امام مالک: کتاب الجنائز)

ایسے افراد جن کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں ہوتا، آپ ﷺ ان کی بھی عیادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰى أَعْرَابِيٍّ يَعُوْدُهُ ۔’’ آپ ﷺ ایک دیہاتی کے یہاں تشریف لے گئے اور اس کی عیادت کی‘‘۔(بخاری: باب عيادة الأعراب)

احادیث میں عیادت کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں، جن کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

۱۔ بیمار سے اس کا حال دریافت کرنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کا حال دریافت کرتے۔ حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے آشوبِ چشم کی بیماری لاحق ہوی۔ اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور مجھ سے حال دریافت کیا۔(مستدرک حاکم)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہ مرض الموت میں تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ اس وقت تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے جواب دیا: مجھے اللہ کی رحمت سے امید بھی ہے اور اپنے گناہوں کا ڈر بھی لگا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُوْ وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ ۔(ترمذی: باب تمني الموت وذكره: 999)’’ایسی حالت میں جس بندے کے دل میں خوف و رجا کی یہ کیفیت طاری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کرتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے اور اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے جس سے وہ ڈرتا رہتا ہے‘‘۔

مہاجرین مکہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے ان میں سے اکثر کی

طبیعتیں بگڑنے لگیں۔حضرت ابوبکرؓ بھی بیمار ہوگئے ۔حضرت عائشہؓ نے اپنے والد سے دریافت کیا:یَاأَبَتَاهُ ! كَيْفَ تَجِدُكَ ؟والد بزرگ وار!مزاج کیسا ہے؟۔(الأدب المفرد:باب مایقول للمریض:525)

اگر مریض سے بے تکلفی ہوتو جسم پر ہاتھ پھیر کر اپنائیت کا اظہار کرنا چاہیے، تاکہ غم ہلکا ہوسکے۔حضرت سعدؓ فرماتے ہیں، جب میں بیمار ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لیے آئے: ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِيْ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى وَجْهِيْ وَبَطْنِيْ ۔(بخاری:باب وضع الید علی المریض)''اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھا، پھر چہرے اور بدن پر پھیرا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اکرم ﷺ کی عیادت کے لیے پہنچا۔اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے جسم پر رکھا تو میں نے محسوس کیا کہ آپ ﷺ کا جسم بخار کی وجہ سے تپ رہا ہے۔(بخاری:باب وضع الید علی المریض)

اگر مریض سے حال دریافت کرنا ممکن نہ ہوتو گھر والوں سے دریافت کرنا چاہیے۔اس سے ان کا غم ہلکا ہوتا ہے اور ان کے رنج والم میں کمی ہوتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں تھے کہ ایک انصاری آیا۔آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ میرے بھائی سعد بن عبادہؓ کا کیا حال ہے؟اس نے جواب دیا: اس وقت ان کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔(مسلم:کتاب الجنائز ،باب عیادۃ المرضیٰ:2177)

2۔مریض کو تسلی دینا چاہیے: بعض بیماریاں ایسی شدید ہوتی ہیں کہ ان کی وجہ سے مریض گھبرا جاتا ہے،اس کو ایسی حالت میں مونس اور غم خوار کی ضرورت ہوتی ہے جو تسلی دے اور اس کا غم ہلکا کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک دیہاتی کی عیادت کی،اور اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ۔(بخاری:باب عیادۃ

الأعراب:5656)''کوئی گھبرانے کی بات نہیں،تم صحت یاب ہو جاؤ گے،اگر اللہ چاہے''۔

حضرت اُم العلاءؓ فرماتی ہیں کہ میں بیمار ہوی تو اللہ کے رسول ﷺ نے میری عیادت کی اور فرمایا: ''اے ام علاء! خوش ہو جاؤ، کیوں کہ بیماری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مومن کے گناہوں کو اسی طرح ہی ختم کر دیتا ہے جس طرح آگ سونے اور چاندی کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے''۔ (ابوداؤد: کتاب الجنائز: باب عیادۃ النساء:3094)

3۔مریض پر دم کرنا چاہیے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کے سرہانے بیٹھ جاتے اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھ کر اس پر دم کرتے: أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ ۔(ابوداؤد: باب الدعاء للمريض عندالعيادة :3108)''میں عظمت والے اللہ سے سوال کرتا ہوں جو عرشِ عظیم کا رب ہے کہ وہ تمھیں شفا عطا کرے''۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ بیمار ہوے تو حضرت جبریلؑ آپؐ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور فرمایا: کیا آپ ﷺ کو بیماری لاحق ہوی ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہاں! حضرت جبریلؑ نے یہ دعا پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کیا: بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَعَيْنِ حَاسِدٍ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ ۔(ترمذی: باب ماجاء فی التعوذ للمریض :988)''میں اللہ کا نام لے کر تم پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو تمھیں تکلیف پہنچاتی ہے، ہر انسان کی برائی سے اور حاسد کی نظرِ بد سے۔ میں اللہ کا نام لے کر دم کرتا ہوں ،اللہ تمھیں شفا دے''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات (سورۂ اخلاص ،سورۂ فلق اور سورۂ ناس) پڑھ کر دم کر لیا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کا مرض شدید ہو گیا تو یہ سورتیں پڑھ کر میں آپ کے ہاتھوں پر پھونک دیتی تھی۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ کے ہاتھوں کو آپ ﷺ کے

جسم پر پھیر دیتی تھی، تاکہ ہاتھوں کی برکت سے شفا حاصل ہو"۔(مسلم:باب رقیۃ المریض بالمعوذات والنفث:5844)

4۔ بیمار کی خدمت :لفظِ عیادت اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ بیمار کی خدمت کرنا، اس کی مالی مدد کرنا، اسے صحیح مشورہ دینا، اچھے ڈاکٹر کی طرف اس کی راہ نمائی کرنا، اس کے مسائل حل کرنے میں اس کا ہاتھ بٹانا، اس کا بوجھ ہلکا کرنا اور معاشرے کے دیگر افراد کو اس کے تعاون اور خدمت کی طرف توجہ دلانا، وغیرہ۔ یہ ساری باتیں بیمار پرسی میں داخل ہیں۔

موجودہ دور میں کتنے ہی بیمار ایسے ہیں جو علاج کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے بیماری کے ہاتھوں مجبور ہیں، اور بعض بیمار اپنی اسی بیماری میں جاں بحق بھی ہو جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ایسے بیمار بھائیوں کی خدمت کرے اور ان کا مالی تعاون کرے۔

5۔ اس موقع پر مریض کے حق میں دعا بھی کرنی چاہیے: حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ میں میں سخت بیمار ہو گیا۔ آپ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ تو میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس بہت سا مال ہے اور میری ایک ہی بچی ہے۔ کیا میں اپنے مال میں سے دو تہائی کی وصیت کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ پھر میں نے کہا: کیا آدھے مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔ پھر میں نے دریافت کیا: کیا ایک تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، مگر یہ بھی زیادہ ہی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھا اور میرے چہرے اور بدن پر پھیرا اور یہ دعا کی: "اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔ اس کی ہجرت کو مکمل کر دے"۔ سعدؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے آج تک جب کبھی مجھے اس واقعہ کی یاد آتی ہے تو رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک اپنے جگر پر محسوس کرتا ہوں"۔(الأدب المفرد:باب العیادة جوف اللیل)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی بیمار

کی عیادت کرے تو یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَکَ ۔ ''اے اللہ! تو اپنے اس بندے کو شفا عطا فرما''۔ (ابوداؤد: باب الدعاء للمریض عند العیادۃ :3109)

6۔ عیادت لوگوں کی اصلاح کا بہترین موقع ہے۔ اس موقع پر مریض سے جو بھی بات کہی جائے گی وہ بغور سنتا ہے اور اس پر عمل کرنے کا داعیہ بھی اس کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس موقع پر کوئی خلاف شریعت بات دیکھیں تو اس کی اصلاح کرنی چاہیے اور دین پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرنا چاہیے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک مرتبہ (ایک بوڑھی خاتون) حضرت ام السائبؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ بخار سے ان کا جسم تپ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے حال دریافت کیا تو وہ بخار کو برا بھلا کہنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بخار کو برا بھلا مت کہو۔ یہ مومن کے گناہوں کو اسی طرح مٹا دیتی ہے جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کے زنگ کو صاف کر دیتی ہے''۔ (الأدب المفرد: باب عیادۃ المرضیٰ)

ایک یہودی لڑکا جو آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہوگیا، آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ بچہ اپنے باپ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ باپ نے کہا: ابوالقاسم (محمد ﷺ) کی بات مان لو۔ چناں چہ اس لڑکے نے اسلام قبول کرلیا۔ اور تھوڑی دیر بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ جب آپ ﷺ وہاں سے نکلے تو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَنْقَذَہُ بِیْ مِنَ النَّارِ ۔ ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے ذریعے اس بچے کو جہنم کی آگ سے بچالیا''۔ (بخاری: کتاب الجنائز: باب إذا أسلم الصبی :1356)

ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ سعدؓ کی حالت دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر وہاں موجود ان کے بعض رشتے دار بھی دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سن لو! اللہ تعالیٰ آنکھ سے آنسو

بہانے پر، اور رنجیدہ دل ہونے پر عذاب نہیں دیتا، زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس (سے نکلنے والے ناز یبا کلمات) کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اور دیکھو! میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ (بخاری: باب البکاء عندالمریض :1304)

7۔ عیادت کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ مناسب وقت میں عیادت کرنا چاہیے۔ وقت بے وقت مریض کے

پاس جا کر اس کو تکلیف دینا مناسب نہیں۔ سلفِ صالحین صبح کے وقت یا شام کے وقت عیادت کرنے کو ترجیح دیتے تھے، کیوں کہ احادیث میں ان اوقات میں عیادت کرنے کی فضیلت آئی ہے۔ البتہ ایسے اوقات میں عیادت کے لیے نہیں جانا چاہیے جن میں مریض کے آرام میں یا ان کے گھر والوں کی مصروفیات میں خلل ہو۔

اسی طرح مریض کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھنا یا بے کار کی باتیں کرنا جس سے مریض کو تکلیف ہو، عیادت کے آداب کے منافی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ مرض الموت میں تھے، صحابہ کے درمیان اختلاف ہونے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: قُوْمُوْا عَنِّیْ ۔ (بخاری: باب کتابة العلم :114) ''یہاں سے اٹھ جاؤ''۔

8۔ مرض کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو، مریض کے سامنے مایوس کن باتیں نہیں کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مریض دل برداشتہ ہو جائے۔ بیماری اور شفا اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ بڑی سی بڑی بیماری کو دور کر سکتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ پُر امید باتیں کرنا چاہیے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِیْضَ أَوِ الْمَیِّتَ فَقُوْلُوْا خَیْرًا فَاِنَّ الْمَلَائِکَةَ یُؤَمِّنُوْنَ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ ۔ (مسلم: باب مایقال عندالمریض و المیت :2168) ''جب کسی بیمار یا میت کے پاس پہنچو تو بھلی بات ہی کہو، کیوں کہ تم جو بھی کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں''۔

بیمار کی عیادت کے یہ چند آداب ہیں، جن کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ دعا ہے

کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بیماروں کی عیادت کرنے اور بیمار پرسی کے اسلامی آداب کا لحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦

زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی۔ جینے کی تمنا ہر انسان کرتا ہے اور کھوسٹ بوڑھا بھی موت کو ناپسند کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلشَّیُخُ یَکْبَرُ وَیَضْعُفُ جِسْمُهُ وَقَلْبُهُ شَابٌّ عَلٰی حُبِّ اثْنَتَیْنِ طُوْلُ الْعُمُرِ وَحُبُّ الْمَالِ. (السلسلۃ الصحیحۃ: 1906) ''آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے اور اس کا جسم گھلنے لگتا ہے، مگر دو چیزوں کی محبت میں اس کا دل جوان رہتا ہے۔ لمبی عمر کی خواہش اور مال کی فراوانی کی تمنا''۔

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ طویل عمر کی تمنا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا اور کہا کہ اپنے پروردگار کی طرف سے پیغامِ اجل قبول فرمایئے۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ سن کر ملک الموت کو تھپڑ مار دیا، جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ واپس ہو کر فرشتے نے دربارِ الٰہی میں شکایت کی کہ الٰہی! تو نے مجھے ایک ایسے شخص کی روح قبض کرنے کے لیے بھیجا جو موت کو ناپسند کرتا ہے۔ اس نے تو میری آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی آنکھ درست کر دی اور حکم دیا کہ میرے بندے موسیٰؑ سے کہو کہ اگر تم طویل زندگی چاہتے ہو تو کسی جانور کی پشت پر ہاتھ رکھ دو۔ اس ہاتھ کے نیچے جتنے بال آجائیں گے، ان میں سے ہر ایک بال کے بدلے تمھاری زندگی میں ایک سال کا اضافہ ہوجائے گا۔ اللہ کا یہ پیغام فرشتے نے حضرت موسیٰؑ کو جاسنایا۔ انھوں نے کہا: اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرشتے نے جواب دیا: پھر موت آئے گی۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا: اس طویل زندگی کا انجام آخر موت ہی ہے تو پھر وہ آج ہی آجائے۔ میں موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہوں''۔ (مسلم: باب من فضائل موسیٰ علیه السلام: 6297)

اللہ کے رسول ﷺ سے جو دعائیں منقول ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ درازیٔ عمر کی تمنا کی جا سکتی

ہے۔مثلاً: آپؐ کی ایک دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ أَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ أَمْرِیْ. وَأَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ. وَأَصْلِحْ لِیْ آخِرَتِیْ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَادِیْ. وَاجْعَلِ الْحَیَاۃَ زِیَادَۃً فِیْ کُلِّ خَیْرٍ.وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً مِّنْ کُلِّ شَرٍّ. (**مسلم**:باب التعوذ من شر ماعمل ومن شر مالم یعمل :**7078**) ''**اے اللہ! میرے دین کی اصلاح فرما جو میرے معاملات کا محافظ ہے۔ میری دنیا کی اصلاح فرما جس میں میرا گزر بسر ہوتا ہے اور میری آخرت کی اصلاح فرما، جس کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ میری زندگی کو ہر خیر میں اضافے کا باعث بنا اور موت کو ہر شر سے راحت کا ذریعہ بنا**''۔

اللہ کے رسول ﷺ بسا اوقات صحابہ کرامؓ کو درازیٔ عمر کی دعا دیا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اکثر ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ تشریف لائے اور اہلِ خانہ کے حق میں دعاے خیر فرمائی۔ میری والدہ ام سلیمؓ نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ آپؐ کے خادم انس ہیں، کیا آپ ان کے لیے دعا نہیں فرمائیں گے؟ آپؐ نے میرے حق میں یوں دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ أَکْثِرْ مَالَہُ وَوَلَدَہُ وَأَطِلْ عُمُرَہُ وَاغْفِرْلَہُ. (**الأدب المفرد** : باب من دعا بطول العمر :**653**) ''**اے اللہ! ان کے مال و اولاد میں اضافہ فرما، ان کی عمر دراز فرما اور ان کے گناہوں کو بخش دے**''۔

بعض صحابہؓ سے ثابت ہے کہ وہ غیر مسلموں کو بھی درازیٔ عمر کی دعا دیا کرتے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کا گزر ایک شخص پر سے ہوا جو بظاہر مسلمان معلوم ہو رہا تھا۔ آپؓ نے اس کو سلام کیا۔ وہ جواب دے کر آگے بڑھ گیا۔ کسی نے بتایا کہ وہ مسلمان نہیں، عیسائی ہے۔ آپؓ فوراً اس کے پاس پہنچے اور اس سے کہا: اِنَّ رَحْمَۃَ اللّٰہِ وَبَرَکَاتِہِ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنْ أَطَالَ اللّٰہُ حَیَاتَکَ وَأَکْثَرَ مَالَکَ. ''**اللہ کی رحمت و برکت کے حقیقی مستحق تو اہلِ ایمان ہیں، البتہ میں تمھارے حق میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تمھاری عمر میں درازی اور تمھارے مال میں اضافہ فرمائے**''۔(**الأدب المفرد**: باب کیف یدعیٰ للذمی:**1112**)

لیکن بندۂ مومن کو طویل عمر کی تمنا نیک کاموں کے لیے ہی کرنی چاہیے۔ سلف کا یہی طریقہ رہا

ہے۔علامہ ابن الجوزیؒ یہ دعا کیا کرتے تھے:اَللّٰھُمَّ بَلِّغْنِیْ آمَالِیْ مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَأَطِلْ عُمُرِیْ لِأَبْلُغَ مَاأُحِبُّ۔ ’’اے اللہ!علم اور عمل کے سلسلے میں میری جائز خواہشات کو پورا فرما اور مجھے طویل عمر عطا فرما، تا کہ میں اپنے نیک عزائم اور بلند مقاصد کو پورا کر سکوں‘‘۔

درازئ عمر کے اسباب: درازئ عمر کے کچھ اسباب مادی ہیں، مثلاً صحت اور تندرستی کی حفاظت، کھانے پینے میں احتیاط، پاکی صفائی کا اہتمام، جسمانی ورزش کا التزام، بیماریوں سے بچاؤ اور مہلک اور نقصان دہ چیزوں سے پرہیز وغیرہ۔ان مادی اسباب کے علاوہ کچھ دینی اسباب بھی ہیں، جن سے ایک مومن کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ان میں سے چند اسباب کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے:

1۔صلہ رحمی: رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان سے اچھا سلوک کرنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر انسان دہرے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔صلہ رحمی صرف یہ نہیں کہ اچھا سلوک کرنے والے رشتے داروں کے ساتھ بدلے میں اچھا سلوک کیا جائے، بلکہ اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ بدسلوکی کرنے والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور ان کے حقوق ادا کیے جائیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ ھُوَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُہٗ وَصَلَھَا۔ (ابوداوٗد:باب فی صلة الرحم **:1699**)’’بدلے کے طور پر اچھائی سے پیش آنا صلہ رحمی نہیں، بلکہ جب رشتہ داری میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو اسے جوڑنا یہ حقیقی صلہ رحمی ہے‘‘۔

جو لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں اضافہ فرماتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ سَرَّہٗ أَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَأَنْ یُّنْسَأَ لَہٗ فِیْ أَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ. (ابوداوٗد:باب فی صلة الرحم **:1695**)’’جو شخص چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی اور عمر میں درازی ہو تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے‘‘۔

(**2،3**)اخلاقِ حسنہ اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک: کریمانہ اخلاق کی تعلیم اسلام کا امتیازی وصف ہے۔رسول ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد اخلاق حسنہ کی تکمیل بتایا ہے۔(السلسلة

الصحیحۃ:75) سورۂ قلم میں آپؐ کی تعریف آپؐ کے بلند اخلاق کے حوالے سے کی گئی ہے۔ اخلاق حسنہ وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے آپؐ نے جانی دشمنوں کا بھی دل جیتا اور وہ آپؐ کے گرویدہ بن گئے۔

اسی طرح معاشرتی زندگی میں انسان کا سب سے زیادہ سابقہ پڑوسی سے ہوتا ہے۔ ایک ساتھ رہنے والوں کے درمیان تعلقات میں اتار چڑھاؤ یقینی ہے۔ ایسے میں پڑوسی کی طرف سے ہونے والی زیادتی کو برداشت کرنا، اس کے حقوق ادا کرنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا درازیٔ عمر کا باعث ہے۔

ان دو نیک کاموں کی فضیلت میں رسول ﷺ کا ارشاد ہے: حُسْنُ الْخُلُقِ وَحُسْنُ الْجِوَارِ يُعَمِّرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيدَانِ الْأَعْمَارَ. (السلسلة الصحيحة:519) ''اخلاقِ حسنہ اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک گھروں کو آباد اور عمر میں اضافہ کرتے ہیں''۔

3۔ نیک عمل: ہر نیک عمل عمر میں اضافہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ. (ترمذی: باب لا يرد القدر الا الدعا:2289) ''تقدیر کو کوئی چیز ٹال نہیں سکتی سوائے دعا کے، اور عمر میں کوئی چیز اضافہ نہیں کر سکتی سوائے نیکی کے''۔

درازیٔ عمر کی صورتیں: قرآن اور احادیث میں درازیٔ عمر کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عمر کی مقدار میں اضافہ فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ. (الفاطر:11) ''اور نہ کسی شخص کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کم کی جاتی ہے، مگر (یہ سب) کتاب (علمِ الٰہی) میں لکھا جا چکا ہے''۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی طوالت اور اس کی تقصیر اللہ کی تقدیر اور قضا سے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اسباب بھی ہیں، جس سے عمر لمبی اور مختصر ہوتی ہے۔ طوالت کے اسباب میں سے صلہ رحمی وغیرہ ہے، جیسا کہ احادیث میں ہے

اور تقصیر کے اسباب میں کثرتِ معاصی کا ارتکاب ہے۔ مثلاً کسی آدمی کی عمر 70 رسال ہے، لیکن کبھی اسبابِ زیادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس میں اضافہ فرما دیتا ہے اور کبھی اس میں کمی کر دیتا ہے جب وہ اسبابِ نقصان اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہے، اس لیے عمر میں یہ کمی بیشی سورۂ نحل کی آیت: 61 (فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ .) کے منافی نہیں ہے۔ اس کی تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ . (الرعد: 39) ''اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتا ہے، اور اس کے پاس لوح محفوظ میں ہے''۔ (احسن البیان، ص: 1268)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ کے حق میں تین دعائیں فرمائیں (جن کا ذکر گزر چکا ہے) وہ فرماتے ہیں کہ یہ ساری دعائیں قبول ہوئیں۔ اللہ نے مجھے کثیر اولاد عطا کی، میں نے اپنے ہاتھوں سے کئی بچے دفن کیے۔ مجھے اس قدر خوش حالی نصیب ہوی کہ سب کے باغ سال میں ایک مرتبہ پھل دیتے تو میرا باغ دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ اور میری عمر اتنی طویل ہوی کہ بسا اوقات مجھے لوگوں سے حجاب محسوس ہوتا ہے۔ آخری دعا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میرے گناہوں کو بخش دے گا''۔ (الادب المفرد : باب من دعا بطول العمر)

2۔ درازئ عمر کا ایک ذریعہ عمر میں برکت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ حسنِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیا میں بعض نیک بندے ایسے گزرے ہیں جنھوں نے مختصر مدت میں ایسے بڑے کارنامے انجام دیے جن کے لیے کئی سال درکار تھے۔ خود اللہ کے رسولؐ کی حیاتِ طیبہ پر غور کیجیے۔ منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد صرف 23 رسال بقیدِ حیات رہے۔ اس مختصر سے عرصے میں آپؐ نے زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کیا اور آپؐ کی کوششوں سے سارے عرب میں اسلام پھیل گیا اور مدینہ میں ایک مثالی اسلامی ریاست قائم ہوی۔ اپنے ہی نہیں غیر بھی آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان عظیم کارناموں کو پڑھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں کہ اتنے

مختصر عرصے میں یہ سب کیسے ہوگیا!! یہ عمر میں برکت کا نتیجہ تھا۔

3۔ درازیٔ عمر کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد بھی عمل کے ثواب کا سلسلہ جاری رہے۔ بعض اعمال ایسے ہیں جن کا اجر وثواب انتقال کے بعد بھی انسان کو پہنچتا رہتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ. مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ. أَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ. أَوْوَلَدٍصَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ. (**مسلم**: باب مايلحق الانسان من الثواب.. **4310:**) ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے: (1) صدقہ جاریہ (2) وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، اور (3) نیک اولاد جو اس کے حق میں دعائے خیر کرتی رہے''۔

کس کی عمر کتنی ہوگی، یہ کوئی نہیں جانتا۔ مومن کو چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر لمحے کو غنیمت جانے اور اس میں نیک عمل کرے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ نے طویل عمر عطا فرمائی اور انھوں نے نیک اعمال کا توشہ زیادہ سے زیادہ تیار کیا اور آخرت کی زندگی کے لیے سُرخ روئی کا سامان کرلیا۔

ایک مرتبہ رسول ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا شخص سب سے بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ۔ ''جس کی عمر طویل ہو اور عمل بھی نیک ہوں''۔ پوچھا گیا: سب سے بدترین آدمی کون ہے؟ فرمایا: ''جس کی عمر طویل ہو مگر عمل برے ہوں''۔ (ترمذی: باب طول العمر للمومن: **2499**)

جو لوگ اپنی عمر ضائع کرتے ہیں، انھیں یہ طویل عمر بھی روزِ قیامت معمولی لگے گی۔ جنھیں اللہ تعالیٰ طویل عمر عطا کرے اور وہ اسے حسنِ عمل کے لیے غنیمت نہ جانیں تو یقیناً وہ بڑے محروم ہیں۔ آپؐ کا ارشاد ہے: أَعْذَرَ اللّٰهُ اِلٰى امْرِئٍ أَخَّرَ أَجَلَهُ حَتّٰى بَلَغَ سِتِّيْنَ سَنَةً. (بخاری: باب من بلغ ستين سنة فقد أعذر الله: **6419**) ''اللہ اس شخص کا کوئی عذر قبول نہیں کرے گا جس کو اس قدر مہلت دے کہ وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے (اس کے باوجود اس کا دامن نیکی سے خالی رہے)''۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگی کی قدر کرنے اور اس کو نیک کاموں میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں حسنِ عمل کی توفیق کے ساتھ درازئ عمر نصیب فرمائے، آمین۔ ✦✦✦✦

عمر رسیدہ لوگ اسلام کی نظر میں

عام طور پر انسانی زندگی کو تین مراحل میں تقسیم کیا جاتا ہے: بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بڑھاپا انسانی زندگی کے لیے بڑا آزمائشی مرحلہ ہوتا ہے۔اس میں انسان کے اعضا کم زوراور قویٰ مضمحل ہوجاتے ہیں۔جسم میں وہ نشاط اور چستی نہیں رہتی جو کہ جوانی کے مرحلے میں ہوا کرتی ہے۔

اسلامی شریعت نے عمر رسیدہ لوگوں کا ہر معاملے میں بڑا خیال رکھا ہے، چناں چہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِذَاصَلّٰی أَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِیْفَ وَالسَّقِیْمَ وَالْکَبِیْرَ. (بخاری: باب اِذاصلی لنفسه فلیطول ماشاء: **703**) ''جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرے تو اسے چاہیے کہ نماز کو مختصر کرے، کیوں کہ لوگوں میں کم زور، بیمار اور عمر رسیدہ لوگ بھی ہوا کرتے ہیں''۔

روزہ ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے، مگر عمر رسیدہ لوگوں کو یہ رخصت دی گئی کہ اگر وہ بڑھاپے کی وجہ سے استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ایک مسکین کو بطور فدیہ کھانا کھلا دیں۔ارشاد باری ہے: وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ. (البقرۃ: **184**) ''اور جنھیں روزے رکھنے میں مشقت اٹھانی پڑتی ہو وہ بطور فدیہ ایک مسلمان کو کھانا کھلا دیں''۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ حکم بوڑھوں کے لیے ہے جو روزے نہیں رکھ سکتے کہ وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں''۔(تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن: **110**، سورۂ بقرہ، آیت نمبر: **184**)

حج ہر صاحبِ حیثیت مسلمان پر فرض ہے۔اگر کوئی بڑھاپے کی وجہ سے کعبۃ اللہ تک جا آنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بدلے دوسرے کو حج کے لیے روانہ کرسکتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اور دریافت

کرنے لگی:یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!اِنَّ فَرِیْضَۃَ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ فِی الْحَجِّ أَدْرَکَتْ أَبِیْ شَیْخًا کَبِیْرًا ، لَایَثْبُتُ عَلَـی الرَّاحِلَۃِ أَفَأَحُجُّ عَنْہُ ؟قَالَ :نَعَمْ. (بخاری:باب وجوب الحج وفضلہ :1513)''اے اللہ کے رسولؐ!میرے باپ پر حج فرض ہو چکا ہے مگر وہ بڑھاپے کی وجہ سے اس قدر کم زور ہو چکے ہیں کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتے،کیا میں ان کی جانب سے حج کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے جواب دیا: ہاں''۔

اسلام نے ہر معاملے میں عمر رسیدہ لوگوں کا خیال رکھا ہے۔اسلامی لشکر کو جہاد پر روانہ کرتے ہوے آپؐ یہ تاکید فرماتے: لَا تَقْتُلُوْا شَیْخًا فَانِیًا وَلَاطِفْلًا وَلَاصِغِیْرًا وَلَاامْرَأَۃً۔(ابوداوٗد: باب فی دعاء المشرکین)''عمر رسیدہ لوگوں، چھوٹے بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے''۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں گورنروں کے نام یہ فرمان جاری کر دیا تھا:''کسی بوڑھے اور عمر رسیدہ شخص سے جزیہ وصول نہ کیا جائے''۔(احکام أھل الذمۃ :1/62،بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ)

اس عمر میں انسان کے کرنے کے کام کیا ہیں؟ قرآن وحدیث میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔اس سلسلے کی چند تعلیمات یہاں پیش کی جارہی ہیں:

(1)بڑھاپے میں آدمی کو اپنی اخروی نجات کی کثرت سے فکر کرنی چاہیے اور اپنا زیادہ وقت عبادات اور خیر کے کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔ایک شخص نے اللہ کے رسولﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسولؐ! بہترین شخص کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ۔جس کی عمر طویل ہو اور عمل نیک ہو۔پھر سائل نے پوچھا: سب سے بدترین انسان کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا:مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَاءَ عَمَلُہٗ ۔جو لمبی عمر پائے مگر برا عمل کرے''۔(ترمذی:باب منہ من طال عمرہ وحسن عملہ:2499)

بڑھاپے کی عمر کو عام طور پر آرام کرنے کی عمر سمجھا جاتا ہے۔اسی لیے جب لوگ وظیفہ یاب ہوجاتے ہیں تو اپنے آپ کو سب کاموں سے فارغ سمجھنے لگتے ہیں، یا گھر میں گوشہ گیر ہوجاتے ہیں۔ دنیادار لوگوں کے لیے تو یہ مرحلہ آرام وراحت کا ہوسکتا ہے مگر دین دار انسان کے لیے یہ مرحلہ بھی کام

اور مصروفیت کا، بلکہ خیر کے کاموں میں پہلے سے زیادہ آگے آگے رہنے کا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ۔ (الحجر:99)''اوراپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کوموت آجائے''۔

انبیاعلیہم السلام،صحابہ کرامؓ اوراسلافِ کرامؒ کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس عمر میں بھی نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔حضرت ابراہیمؑ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے ہیں،مگر اللہ سے تعلق میں ذرابرابر کمی نہیں آئی۔اس عمر میں بھی ہروقت عبادت اور دعاومناجات میں مصروف رہتے تھے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَهَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ.اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ . رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ.رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ. رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَاب. (ابراہیم:41تا39)''(اورابراہیمؑ نے کہا)ساری ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیل اور اسحاق عطافرمائے۔بلاشبہ میرا پروردگار (اپنے بندوں کی) دعائیں سنتااورقبول کرتاہے!''خدایا: مجھےتوفیق دے کہ میں نماز قائم کروں اورمیری نسل کو بھی اس کی توفیق ملے۔پروردگار!میری یہ دعا تیرے حضورقبول ہو۔پروردگار!جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا تو مجھے اور میرے ماں باپ کواوران سب کو جوایمان لائے (اپنے فضل وکرم سے) بخش دیجیو(اورحساب کی سختی میں نہ ڈالیو)''۔

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ (جنھیں مفتی حرم مکی کہا جاتا ہے) کے بڑھاپے کی عبادتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:عَاشَ ثَمَانٍ وَثَمَانِیۡنَ سَنَةً ،کَانَ بَعۡدَ مَاکَبِرَ وَضَعُفَ یَقُوۡمُ اِلَی الصَّلَاةِ فَیَقۡرَأُ مِائَتَیۡ آیَةٍ مِّنۡ سُوۡرَةِ الۡبَقَرَةِ ،وَهُوَقَائِمٌ لَایَزُوۡلُ مِنۡهُ شَیۡءٌ وَلَایَتَحَرَّکُ۔(صفوۃ الصفوۃ:ج2/214)''مفتی صاحب نے 88 /سال کی عمرپائی،کبرسنی اورکم زوری کے باوجود کھڑے ہوکرنماز پڑھتے اورایک رکعت میں سورۂ بقرہ کی تقریبا120/طویل طویل آیتیں پڑھتے مگرآپؒ کے استقلال میں کوئی جنبش تک نہ آتی''۔

امام ذہبیؒ نے ابوالقاسم البغویؒ کے متعلق لکھا ہے کہ 103/سال کی عمر میں وفات پائی۔اوراس عمر میں بھی ان کا یہ حال تھا:وَكَانَ طُلَّابُ الْعِلْمِ يَسْمَعُوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى مَاتَ. (سیر أعلام النبلاء: 14/ 456)''علم کے متلاشی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اورعلم حاصل کرتے رہتے ،تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ ان کی وفات تک برابر جاری رہا''۔

جہاد سب افضل عمل ہے۔یہ ناتواں اورکم زورانسانوں کا نہیں، بلکہ جواں مردوں کا کام ہے۔کم زورلوگ عام طور پر جہاد کی ہمت نہیں کر پاتے ،مگراسلامی تاریخ میں ایسے عمر رسیدہ لوگ نظر آتے ہیں جوعمر کے اعتبار سے توبوڑھے تھے مگر ان کے عزائم اورحوصلے جوان تھے۔اسلام کی پہلی جنگ جنگِ بدر کا اعلان ہوا تواس میں شریک ہونے والوں میں ایک بڑی تعداد عمر رسیدہ لوگوں کی تھی۔حضرت سعد بن خیثمہؓ کا بیان ہے کہ ان کے گھر میں دو ہی افراد جنگ کے قابل تھے،ایک وہ ،اور دوسرے ان کے بوڑھے باپ۔دونوں کی خواہش تھی کہ جنگ میں شریک ہوں مگر کسی ایک کا گھر میں رہنا ضروری تھا۔جب کوئی صورت نہیں نکلی تو قرعہ اندازی کی گئی۔قرعہ فال بیٹے کے حق میں نکلا۔بوڑھے باپ نے لختِ جگر سے شفقتِ پدری کا حوالہ دے کر کہا کہ تم ابھی جوان ہو،میں عمر کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکا ہوں ،معلوم نہیں میری زندگی کا چراغ کب گل ہوجائے،اس لیے اس بار مجھے موقع دے دو۔ بیٹے نے کہا:ابا جان! یہاں معاملہ شہادت اورطلبِ جنت کا ہے،اگر یہ معاملہ نہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی بات مان لیتا مگر جنت کے معاملے میں اپنے آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔بیٹا جنگ میں شریک ہوا اور شہید ہوا۔بوڑھا باپ مرتبۂ شہادت حاصل کرنے کے لیے بے قرار تھا۔دوسرے ہی سال جب جنگِ احد پیش آئی تو حضرت خیثمہؓ اس میں شریک ہوے اور جواں مردی کے ساتھ لڑتے ہوے اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے۔(سنن سعید بن منصور:2/ 215،بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ)

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے بڑھاپے میں قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک ہوکر شہادت پائی۔موسیٰ بن نصیر خلافتِ بنی امیہ کے ایک مشہور کمانڈر گزرے ہیں،وہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں:مَا نَكَبَ

الْـمُسْـلِـمُـوْنَ مَـعِـیَ نُـكْـبَةً مُـنْذُ اقْتَحَمْتُ الْأَرْبَعِیْنَ اِلٰی أَنْ شَارَفْتُ الثَّمَانِیْنَ ۔(سیر أعلام النبلاء: 4/ 499)''میں چالیس سال کی عمر سے اسیّ سال کی عمر تک اسلامی فوجوں کی قیادت کرتا رہا، اس طویل عرصہ میں اسلامی فوج نے میری قیادت میں کبھی شکست نہیں کھائی''۔

جو شخص بڑھاپے کے باوجود اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلتا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ کو بہت محبوب ہوتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ شَابَ شَیْبَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (السلسلۃ الصحیحۃ: 3371)''جس شخص کے بال اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوے سفید ہو جائیں تو بال کی یہ سفیدی قیامت کے دن اس کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوگی''۔

اس عمر میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے: بڑھاپے میں ہر انسان بڑے بڑے کام انجام نہیں دے سکتا، اس لیے اسلام نے ایسے اعمال بھی بتائے ہیں،جنھیں اس عمر میں بہ آسانی انجام دے کر اجر وثواب میں اضافے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔حضرت ام ہانیؓ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر کہتی ہیں:''اے اللہ کے رسولؐ! میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور میرے اعضا کم زور ہو چکے ہیں، مجھے کوئی ایسا آسان عمل بتایئے جو دخولِ جنت کا ذریعہ ہو۔آپؐ نے فرمایا: سو مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہو، یہ تمھارے لیے اولادِ اسماعیل کے سو غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔سو مرتبہ ''الحمدللہ'' کہو، یہ تمھارے لیے سامان سے لدے ہوے سو گھوڑوں کو صدقہ کرنے کے برابر ہے۔سو مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہو، یہ تمھارے لیے سو اونٹ صدقہ کرنے کے برابر ہے اور سو مرتبہ ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کہو، یہ آسمان اور زمین کے خزانوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور اس سے بہتر کوئی عمل نہیں، سوائے اس کے کہ کوئی یہ ذکر اس سے زیادہ مرتبہ پڑھے''۔(السلسلة الصحيحة:1316)

اس عمر میں انسان کو بہت سے عوارض اور پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں،جن سے تنگ آ کر بسا اوقات آدمی ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ایسے موقع پر صبر وضبط سے کام لینا واقعی بڑے دل گردے کا کام ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت خباب بن ارتؓ کی عیادت کے لیے گئے۔ان کی بیماری طول

پکڑ چکی تھی، وہ کہنے لگے:لَوْلَا أَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ:لَاتَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ لَتَمَنَّیْتُہُ۔ (ابن ماجہ: کتاب الزھد:باب فی البناء والخراب: 4302)''اگر میں رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ موت کی تمنا مت کرو، تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا''۔

اس کے برعکس آپ ﷺ نے بڑھاپے کی مصیبت اور پریشانی سے بچنے کے لیے دعا سکھلائی ہے۔حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:لَایَتَمَنَّیَنَّ أَحَدُکُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَہُ فَاِنْ کَانَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَلْیَقُلْ :اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَاکَانَتِ الْحَیٰوۃُ خَیْرًا لِیْ. وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ .(بخاری:باب تمنی المریض الموت.. :5671)''کوئی بھی شخص کسی بیماری یا تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔اگر اس قسم کی آرزو ضروری ہو تو یہ دعا کرے:''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہو، اور مجھے اُس وقت موت دے، جب موت میرے حق میں بہتر ہو''۔

حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ یہ دعا بھی کیا کرتے تھے:اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیْ الَّذِیْ ھُوَعِصْمَۃُ اَمْرِیْ.وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَامَعَاشِیْ.وَاَصْلِحْ لِیْ آخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْھَامَعَادِیْ. وَاجْعَلِ الْحَیٰوۃَ زِیَادَۃً فِیْ کُلِّ خَیْرٍ.وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً مِّنْ کُلِّ شَرٍّ. (مسلم:باب التعوذ من شرماعمل ومن شرمالم یعمل: 7078)''اے اللہ! میرے دین کی اصلاح فرما جو میرے معاملات کا محافظ ہے، میری دنیا کی اصلاح فرما جس میں میرا گزربسر ہے، اور میری آخرت کی اصلاح فرما جس کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔میری زندگی کو ہر قسم کے خیر میں اضافے کا ذریعہ بنا اور موت کو میرے لیے ہر برائی سے نجات اور راحت کا باعث بنا''۔

بڑھاپے کا ایک مرحلہ ارذلِ عمر کا ہے، جس میں اعضا جواب دے جاتے ہیں، جسم گھلنے لگتا ہے، ذہنی اور عقلی کیفیت میں فرق آجاتا ہے، انسان کچھ کر نہیں سکتا، ہر معاملے میں دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ اس بچے کے مانند ہو جاتا ہے جو اپنی پیدائش کے وقت ہر طرح کمزور اور مجبور ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی عمر سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی ہے۔حضرت سعدؓ سے مروی ہے،وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر نماز کے بعد چار چیزوں سے پناہ طلب کرتے تھے:اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ.وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ. (ترمذی:باب فی دعاء النبی ﷺ:3915)''اے اللہ!میں بزدلی سے ،بخیلی سے،ارذلِ عمر سے اور دنیا و آخرت کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں''۔

عمر رسیدہ لوگ ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ان کے تئیں معاشرے پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اسلام نے ان کی بھی نشان دہی کی ہے۔ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ عمر رسیدہ لوگوں کے حقوق پہچانے اور انھیں ادا کرے۔

(1) عمر رسیدہ لوگوں کا وجود برکت و رحمت کا باعث ہے۔مسلمانوں کو چاہیے کہ انھیں رحمت سمجھیں،زحمت تصور نہ کریں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:اَلْبَرَكَةُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ۔ (صحیح الترغیب و الترھیب:باب الترغیب فی اِکرام العلماء واِجلالھم: 99)''برکت تمھارے بڑے لوگوں کے ساتھ ہے''۔ایسے لوگوں کی قدر کرنا،ان کے وجود کو باعثِ رحمت سمجھنا اور ان کی عزت و تکریم کرنا ضروری ہے۔

رسول ﷺ نے عمر رسیدہ لوگوں کی عزت و تکریم کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔آپؐ کا ارشاد ہے: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا. (ترمذی:باب رحمة الصبیان :2046)''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرتا ہو''۔

نیز آپؐ کا ارشاد ہے:اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ تَعَالیٰ اِكْرَامُ ذِی الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ. (ابوداؤد:باب تنزیل الناس منازلھم :4845)''عمر رسیدہ مسلمان کی عزت کرنا اللہ کی تعظیم بجالانے کے مترادف ہے''۔

رسول اکرم ﷺ بڑوں کا حد درجہ احترام فرماتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہؓ فتح مکہ کے

وقت مشرف بہ اسلام ہوے۔ جب حضرت ابوبکرؓ انھیں لے کر حاضرِ خدمت ہوے تو آپؐ نے فرمایا: لَوْ أَقْرَرْتَ الشَّيْخَ لَأَتَيْنَاهُ .(السلسلۃ الصحیحۃ:496)''آپ نے شیخ کو کیوں زحمت دی، ہم خود ہی ان کے پاس پہنچ جاتے''۔

(2) عمر رسیدہ لوگوں کے تئیں دوسرا حق یہ ہے کہ ہر معاملے میں ان کے مقام اور مرتبہ کو ملحوظ رکھا جائے، ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے اور ہر کام میں ان سے مشورہ لیا جائے۔ اسلام نے ہر معاملے میں بڑوں کا لحاظ رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ نماز کی امامت کی بابت کہا کہ اگر علم میں سب برابر ہوں تو بڑی عمر والا امامت کرے۔ حضرت مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ۔ (مسلم: باب من أحق بالإمامة :1567)''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی اذان دے اور جو تم میں سے عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے''۔

بڑوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ان سے مشورہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں ہر مسئلے میں کبارِ صحابہؓ سے مشورہ کرتے تھے۔

چھوٹوں کو حکم دیا گیا ہے کہ بڑوں کی موجودگی میں خاموش رہیں اور انھیں گفتگو کرنے کا موقع دیں۔ حضرت سہل بن خیثمہؓ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن سہل اور محیصۃ بن مسعود مقامِ خیبر گئے۔ وہاں کے یہودیوں نے دھوکے سے عبداللہ بن سہل کو قتل کر دیا۔ محیصۃ، حویصۃ اور عبدالرحمٰن بن سہل اس معاملے کی اطلاع دینے کے لیے خدمتِ نبویؐ میں پہنچے۔ عبدالرحمٰن بن سہل نے گفتگو کا آغاز کیا، جو سب سے چھوٹے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: كَبِّرْ، كَبِّرْ۔ یعنی''بڑوں کو کہنے کا موقع دو''۔(مسلم: باب القسامة:4441)

3۔ تیسرا حق یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ان کی خدمت اور ان کا تعاون کیا جائے۔ بڑھاپے میں آدمی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کو سہارا دے، اس کے کام آئے

اور دکھ درد میں شریک ہو۔اسی لیے اولاد کو''عصائے پیری'' کہا جاتا ہے،یعنی بڑھاپے کا سہارا۔ حضرت زکریاؑ نے بڑھاپے کی عمر میں دعا کی: رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡ ۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا. وَاِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا. (مریم:5،4)''اے میرے رب! میری ہڈیاں کم زور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا، مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے، میری بیوی بھی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما''۔

حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ حاجت مندوں کو تلاش کر کے ان کی خدمت کرتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔حضرت ابوطلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک رات دیر گئے وہ اپنے گھر سے نکلے، اچانک ان کی نظر حضرت عمرؓ پر پڑی جو ایک نامعلوم گھر میں داخل ہو رہے تھے۔انھیں تعجب ہوا،صبح ہوی تو وہ اس گھر میں داخل ہوے، دیکھا کہ اس میں آنکھوں سے معذور ایک بوڑھی عورت ہے، انھوں نے پوچھا کہ کل رات آپ کے گھر میں کون شخص آیا تھا؟ اس بوڑھیا نے جواب دیا:اِنَّـهُ يَتَعَاهَدُنِیۡ مُنۡذُ كَذَا وَكَذَا بِمَا يُصۡلِحُنِیۡ وَيَخۡرُجُ عَنِّیۡ الۡاَذىٰ وَالۡقَذىٰ ۔''وہ شخص کئی دنوں سے میرے گھر برابر آتا ہے اور سارے کام کاج کرتا ہے، میری ضرورتیں پوری کرتا ہے اور گھر کی صفائی کرتا ہے''۔(حیاۃ الصحابۃ للکاندھلوی: ج2/ 218 بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ)

خصوصاً عمر رسیدہ اگر رشتہ دار ہوں تو ان کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: رَغِمَ أَنۡفُهُ ،ثُمَّ رَغِمَ أَنۡفُهُ ، ثم رَغِمَ أَنۡفُهُ، مَنۡ أَدۡرَكَ أَبَوَيۡهِ عِنۡدَهُ الۡكِبَرُ أَحَدُهُمَا أَوۡ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمۡ يَدۡخُلِ الۡجَنَّةَ ۔(صحیح الجامع الصغیر:5824)''ہلاک ہو جائے وہ شخص، ہلاک ہو جائے، ہلاک ہو جائے، جو اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی عمر میں پائے، پھر بھی ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو''۔

والدین کی خدمت کا اصل مرحلہ بڑھاپے کا ہے۔قرآن نے والدین کی خدمت پر ابھارتے

ہوئے خصوصیت کے ساتھ بڑھاپے کی عمر کا ذکر کیا ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے: اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا. وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا۔ (بنی اسرائیل:24،23)''اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، نہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا، اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رہنا اور دعا کرتے رہنا کہ پروردگار! جس طرح انھوں نے مجھے صغرسنی میں پالا پوسا اور بڑا کیا، اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما''۔

حضرت شعیبؑ کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ان کی دو بیٹیاں تھیں جو بکریاں چرایا کرتی تھیں۔ حالانکہ یہ کام مردوں کا ہے، لیکن گھر میں کام کرنے والا کوئی نہیں تھا، مجبوراً یہ کام ان بچیوں کو انجام دینا پڑتا تھا۔ جب موسیٰؑ مدین پہنچے تو انھوں نے ان بچیوں کو دیکھا کہ وہ بکریوں کو سیراب کرنے کے لیے انتظار میں ہیں۔ حضرت موسیٰ نے آگے بڑھ کر ان کی مشکل دریافت کی اور ان کی مدد فرمائی۔ قبل اس کے کہ وہ ان سے گھر کے بارے میں دریافت کرتے، لڑکیوں نے کہا: وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ. (القصص:23)''ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں''۔

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے اپنی ماں کی حد درجہ خدمت کی ہے، اس کی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے اسے اپنی پیٹھ پر لیے پھرا ہے اور ویسے ہی خدمت کی جیسے بچپن میں وہ میری خدمت کیا کرتی تھی، کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کیا؟ آپؓ نے فرمایا: نہیں، کیوں کہ تمھاری ماں تمھاری ساری ضرورتوں کو پورا کرتی تھی تو اس کی تمنا ہوتی کہ تم لمبی عمر پاؤ اور تم اپنی ماں کی ضرورتوں کو پوری کرتے ہو تو تمھاری خواہش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے''۔

حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے کہا: میں نے اپنی ماں کو پیٹھ پر اٹھا کر حج کرایا ہے، کیا میں نے اپنی

ماں کا حق ادا کیا؟ آپؐ نے جواب دیا: وَلَوْ بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ۔ ''نہیں، تم نے اپنی ماں کی اس آہ کا حق بھی ادا نہیں کیا جو تمھاری پیدائش کے وقت اس کے منہ سے نکلی تھی''۔(وبالوالدین اِحسانا: ص:3، بحوالہ الشاملۃ)

اس میں شک نہیں کہ بڑھاپے میں والدین کی خدمت کرنا اور ان کی راحت کا خیال رکھنا بڑا توجہ طلب کام ہے۔ احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام بندۂ مومن کی مشکلات کو دور کرنے کا باعث بنتا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ تین آدمیوں نے سخت آندھی سے بچنے کے لیے ایک غار میں پناہ لی۔ ایک بڑی چٹان نے اس غار کے دہانے کو بند کر دیا۔ وہاں سے نکلنے کی کوئی ظاہری صورت نظر نہیں آئی۔ اس وقت ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: ''اس غار سے ہمیں کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی، سوائے اس کے کہ ہم اپنے مخلصانہ اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کریں۔ تینوں نے اپنے مخلصانہ اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی۔ ان میں سے ایک نے یوں دعا کی: اَللّٰهُمَّ! كَانَ لِيْ أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ.... ''اے میرے رب! تو خوب جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے، میرے کئی چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، میں بکریاں چرایا کرتا تھا کہ ان کے دودھ کے ذریعے ان سب کی روزی کا انتظام کر سکوں، چناں چہ جب شام میں اپنے گھر پہنچتا تو بکریوں کا دودھ سب سے پہلے اپنے ماں باپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ چراگاہ سے واپس ہونے میں اتنی تاخیر ہوی کہ رات جب گھر پہنچا تو والدین سو چکے تھے۔ میں انھیں بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مجھے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ والدین سے پہلے اپنے بچوں کو سیراب کروں، جب کہ وہ بھوک سے بلک رہے تھے، میں دودھ کا پیالہ لیے سرہانے کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی، جب وہ بیدار ہوے تو میں نے پہلے انھیں سیراب کیا، پھر اپنے بچوں کو۔ اس کے بعد وہ فریاد کرنے لگا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ ''اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس مصیبت سے ہمیں نجات

دے‘‘۔اللہ نے اس کی دعا قبول کی اوراس مصیبت سے نجات دی‘‘۔(بخاری: بـاب مـن استـأجر أجیرافترك أجره:2272)

موجودہ دور کا یہ المیہ ہے کہ بڑھاپے کی عمر میں جب کہ والدین اپنی اولاد کی خدمت وتوجہ کے حد درجہ مستحق ہوتے ہیں،ان کی خدمت سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے اورانھیں دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ماں باپ دونوں مل کر ہی اپنی ساری مجبوریوں اور بے سروسامانیوں کے باوجود اپنی اولاد کی پرورش کر لیتے ہیں اوراس راہ میں ہر قسم کی تکلیف خوشی خوشی جھیل لیتے ہیں،مگر پورے بچے مل کر بھی دو بوڑھی جانوں کو سنبھال نہیں پاتے۔اس سلسلے میں مسلم معاشرے کو غور وفکر کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بوڑھوں کے حقوق کو سمجھنے اورانھیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

+++

فوت شدہ لوگوں کے حقوق

انسان فطرتاً ایک سماجی مخلوق ہے۔اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے وہ دوسرے انسانوں کا محتاج ہے۔وہ ایسی زندگی کا تصورنہیں کرسکتا جس میں وہ اکیلا ہو،کوئی دوسرااس کے ساتھ نہ ہو۔اس دنیا میں ایک انسان کے دوسرے انسان سے تعلقات کی مختلف بنیادیں ہیں،رشتہ داری، دوستی،تجارت، وغیرہ،اور یہ تعلقات اس کی ضرورت بھی ہیں۔جب تک انسان زندہ رہتا ہے وہ ان تعلقات کونبھانے کی کوشش کرتا ہےاور جیسے ہی اس کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور وہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہےتو یہ سب تعلقات اور رشتہ داریاں بھی ختم ہوجاتی ہیں،مگرایک رشتہ ایسا ہے جوانسان کےمرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے،وہ ہے دینی اورایمانی رشتہ۔

ایمانی رشتہ دنیا کے سارے رشتوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے۔اس رشتے کو باقی رکھنے کے لیے اسلام نے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں،جن کا ادا کرنا ہرمسلمان پرضروری ہے۔ حقوق کا یہ دائرہ بہت وسیع ہے۔ایک مسلمان کی موت پر یہ سلسلہ ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ اس کے بعد بھی حقوق کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ایک مسلمان کی وفات کے بعد اس کے جو حقوق مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں،ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے:

(1) جنازے میں شرکت: اسلام نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق بتائے ہیں، ان میں ایک حق اس کے جنازے میں شرکت ہے۔ نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ :رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ.(بخاری:باب الأمر باتباع الجنائز: **1240**)''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا''۔

جنازے میں شرکت یہ ایسا حق ہے کہ اگر مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو ادا نہ کرے تو سارے مسلمان گناہ گار ہوں گے۔ اسی لیے اس کو فرضِ کفایہ کہا جاتا ہے۔

مسلمان بھائی کے جنازہ میں شرکت کی بڑی فضیلت ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهِ فَلَهُ قِيرَاطٌ وَمَنْ شَهِدَ حَتّٰى تُدْفَنَ كَانَ لَهُ قِيرَاطَانِ ،قِيلَ : وَمَاالْقِيرَاطَانِ ؟ قَالَ مَثَلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ ۔ ''جس نے کسی جنازے میں شرکت کی اور نمازِ جنازہ ادا کی تو اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو تدفین تک ساتھ رہا تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ قیراط کی مقدار کیا ہے؟ فرمایا: بڑے پہاڑ کے برابر''۔ (بخاری: باب من انتظر حتی تدفن: 1325)

ایک دوسری روایت میں ہے: ''ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا''۔ (بخاری: باب اتباع الجنائز من الایمان: 47)

نمازِ جنازہ میں نیک مسلمانوں کی شرکت میت کے لیے مغفرت کا سامان ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ عَلٰى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا لَايُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيهِ۔ (مسلم: باب من صلی علیه أربعون شفعوا فیه: 2242) ''جس مسلمان کی نماز جنازہ میں ایسے چالیس مسلمان شریک ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں ان کی سفارش ضرور قبول کرتا ہے''۔

(2) دعاے مغفرت: اپنے فوت شدہ بھائی کا دوسرا حق یہ ہے کہ اس کے حق میں دعاے مغفرت کی جائے۔ انتقال کے بعد انسان کی اُخروی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ آخرت کی زندگی کے مختلف مراحل ہیں۔ سارے ہی مرحلے بڑے کٹھن اور دشوار گزار ہوتے ہیں۔ ان میں کامیابی کے بعد ہی انسان جنت کا مستحق ہوتا ہے۔ ان مراحل میں بندۂ مومن کو جو چیزیں فائدہ پہنچائیں گی وہ اس کے

نیک اعمال کے ساتھ ساتھ اپنے مومن بھائیوں کی دعائیں بھی ہیں۔فوت شدہ شخص آخرت کے ہر مرحلے میں مومن بھائی کی دعا کا شدید محتاج ہوتا ہے۔اس لیے اس کے حق میں کثرت سے دعا کرنا چاہیے۔سورۂ حشر (آیت:10) میں اہلِ ایمان کی یہ صفت بتائی گئی کہ وہ جہاں اپنے لیے دعا کرتے ہیں وہیں اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے حق میں بھی دعاے مغفرت کرتے رہتے ہیں: وَالَّـذِيْنَ جَـاؤُوا مِـنْ بَـعْـدِهِـمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُـلُـوبِـنَـا غِلًّا لِّـلَّـذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَـا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيْمٌ ۔''اور جو اُن کے بعد آئے وہ (دعا کرتے ہوے) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں معاف فرمادے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ پیدا کر۔اے ہمارے رب! یقیناً تو بڑی شفقت والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے''۔

حضرت ابوسلمہؓ کا جب انتقال ہوا تو نبی ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔آپؐ نے جب دیکھا کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوی ہیں تو آنکھیں بند کر دیں اور فرمایا: جب روح قبض کی جاتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔یہ سن کر اہلِ خانہ رونے لگے۔آپؐ نے فرمایا: اپنے لیے بھلائی ہی طلب کرو۔اس لیے کہ جو بھی تم کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔پھر آپؐ نے ابوسلمہؓ کے حق میں یوں دعا کی: الـلّٰـهُـمَّ اغْفِرْ لِأَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَارَبَّ الْـعَـالَـمِيْـنَ وَافْسَـحْ لَـهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ ۔(مسلم: بـاب فـی اِغـمـاض الـميت والدعاء له ..:2169)''اے اللہ! ابوسلمہ کو بخش دے، ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا شمار فرما اور ان کے پس ماندگان میں تو ان کا خلیفہ ہو جا، ہم کو اور ان کو بخش دے۔اے تمام جہانوں کے رب! ان کی قبر کو کشادہ اور پُرنور کر دے''۔

اہل ایمان کو قبروں کی زیارت کا حکم دیا گیا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہاں مدفون مسلمانوں کے حق میں دعاے مغفرت کریں۔اسی لیے جب مومن بندہ قبرستان پہنچتا ہے تو یہ دعا کرتا ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِمِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّااِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُوْنَ ،أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَاوَلَكُمُ الْعَافِيَةَ ۔(مسلم: باب مايقال عند دخول القبور :2302)''سلامتی ہوتم پراے(اس اُجڑے دیار) کے مومن ومسلم باسیو! ہم بھی ان شاءاللہ تم سے ملنے والے ہیں ۔ہم اللہ سے اپنے اورتمھارے لیے عافیت کی دعامانگتے ہیں''۔

رسول اکرم ﷺ کثرت سے قبرستان کی زیارت کیا کرتے تھے ۔بسااوقات آپؐ صرف اپنے فوت شدہ بھائیوں کی دعاے مغفرت کے لیے قبرستان جایا کرتے تھے۔صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک رات آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر آرام کررہے تھے۔حضرت جبریلؑ تشریف لائے ، کہنے لگے:اِنَّ رَبَّكَ يَـأْمُـرُكَ أَنْ تَـأْتِـىَ أَهْـلَ الْبَـقِيْـعِ فَتَسْتَغْفِـرَ لَهُمْ ۔(مسلم: باب مايقال عند دخول القبور:2301)''آپ کے رب کاحکم ہے کہ آپؐ بقیع قبرستان جائیں اوران کے حق میں دعاے مغفرت فرمائیں''۔

زیارتِ قبوران عظیم سنتوں میں سے ہے جن کا آپؐ خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَخْرُجُ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَدْعُوْ لَهُمْ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ ؟فَقَالَ :اِنِّىْ أُمِـرْتُ أَنْ أَدْعُـوَ لَهُـمْ. (مسند احمد،احکام الجنائز للألبانی)''بے شک اللہ کے رسول ﷺ بقیع قبرستان جایا کرتے تھے۔میں نے اس تعلق سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں وہاں مدفون لوگوں کے حق میں دعاے مغفرت کروں''۔

نمازِ جنازہ کا ایک بڑا حصہ میت کے حق میں دعا پر مشتمل ہوتا ہے۔پھر دفنانے کے بعد بھی دعا کا حکم دیا گیا۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَاِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ ۔(ابوداؤد: باب الاستغفار عند القبر :3223)''اپنے بھائی کے حق میں دعاے مغفرت کرواوراس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیوں کہ اب اس سے باز پرس کی جائے گی''۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ''سیرت سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپ ﷺ قبرستان کی طرف اس مقصد سے بھی جایا کرتے تھے کہ اس ویرانے کے باسیوں کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں''۔ (فقہ السنۃ: 1/566)

میت کے لیے دعاے مغفرت دوستی اور بھائی چارے کا حق بھی ہے۔ اس لیے فوت شدہ مومن کے لیے ہر اس چیز کی دعا کی جائے جسے انسان اپنے لیے، اہل وعیال کے لیے اور اپنے متعلقین کے لیے پسند کرتا ہے اور اسی طرح دعا کرے جس طرح وہ اپنے لیے دعا کرتا ہے۔

مومن کی دعا کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ اگر اللہ چاہے تو میت کی مغفرت کر دے گا اور اس کے گناہوں کو بخش دے گا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جنت میں اس کے درجات کو بلند فرمائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِالصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ ،فَيَقُولُ :يَا رَبِّ!أَنّٰى هٰذَا؟ فَيَقُولُ : بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ. (ابن ماجہ: باب بر الوالدین: 3791) ''اللہ تعالیٰ بعض نیک بندوں کے درجات کو جنت میں بلند کر دیتا ہے۔ بندہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! یہ بلند درجات مجھے کیسے عطا ہوئے، حالاں کہ میرا عمل اس قابل نہیں تھا؟ رب ذوالجلال فرمائے گا: (یہ درجات کی بلندی تمھارے اعمال کا نتیجہ نہیں بلکہ) تمھارے حق میں تمھاری اولاد کی دعاے مغفرت کی وجہ سے ہے''۔

(3)۔ حقوق کی ادائی: اگر فوت شدہ بھائی کے ذمے کسی کے کچھ حقوق رہ گئے ہوں تو اس کے رشتے دار اور متعلقین کو چاہیے کہ انھیں ادا کر دیں۔ حقوق کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے ہے۔ حقوق اللہ میں حج، روزہ، زکوٰۃ اور نذر ہیں۔

✦ روزہ: رمضان کے روزے ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ روزے کسی بھی حالت میں معاف نہیں۔ اگر کوئی شخص بیماری یا سفر کی وجہ سے، یا کوئی خاتون ایام حیض و نفاس کی وجہ سے رمضان میں روزے نہ رکھ سکے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ بعد میں قضا کر لے۔ اگر کوئی ان کی قضا نہ کر سکا اور اسی

حالت میں اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے ورثاء اور رشتے داروں کا یہ حق ہے کہ اس کی جانب سے ان روزوں کی قضا کریں۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ ۔(بخاری: باب من مات وعليه صوم: 1952) ''جو شخص انتقال کر جائے اور اس پر کچھ روزے باقی ہوں تو اس کے ولی کو چاہیے کہ اس کی جانب سے روزے رکھے''۔

✦ حج: اگر میت پر حج فرض ہو چکا تھا، بیماری، عذر یا کسی اور وجہ سے وہ حج نہ کر سکا تھا تو اس کے متعلقین کو چاہیے کہ اس کی جانب سے حج کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، حج کرنے سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ کیا میں ان کی جانب سے حج کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! ضرور کرو۔ اگر تمھاری ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا نہیں کرتیں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ تو اللہ کا حق ہے۔ اس کی ادائی بہت ضروری ہے''۔(بخاری: باب الحج والنذور عن الميت ..:1852)

✦ نذر: اللہ کے حقوق میں ایک اہم حق نذر کا پورا کرنا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی کہ وہ نذر پوری کرتے ہیں .(الدھر:7)

حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میری والدہ نے نذر مانی تھی۔ نذر پوری کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا،(اب میں کیا کروں؟)۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم ان کی جانب سے نذر پوری کرو''۔(ابوداؤد: باب فی قضاء النذر عن المیت)

✦ زکوٰۃ: زکوٰۃ ہر مال دار پر فرض ہے۔ اگر کسی شخص کے مال پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہو اور اس کو ادا کرنے کی مہلت اسے نہ ملی ہو تو اس کے ورثاء کو چاہیے کہ وراثت کی تقسیم سے پہلے اس کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کریں۔

بندوں کے حقوق: بندوں کے حقوق ادا کرنے کی احادیث میں بڑی تاکید آئی ہے۔ جو لوگ

بندوں کے حقوق ادانہیں کرتے ، وہ قیامت کے دن بڑے مجرم ہوں گے۔ ایسے لوگوں کواللہ کے رسول ﷺ نے مفلس اور کنگال ہونے والے بتایا ہے۔ قیامت کے دن ایسے لوگوں کی نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم کردی جائیں گی جن کی انھوں نے حق تلفی کی ہوگی۔ اس لیے بندوں کے حقوق کی ادائی کے معاملے میں ہر مسلمان کو حسّاس ہونا چاہیے۔ اوراگر کسی فوت شدہ شخص پر بندوں کے حقوق رہ گئے ہوں تو اس کے رشتے داروں کو چاہیے کہ پہلے ان حقوق کی ادائی کا انتظام کریں۔

ان حقوق میں وصیت اور قرض بہت ہی اہم ہیں۔ ورثاء کے درمیان مال کی تقسیم سے پہلے ان دونوں کی ادائی کی فکر کرنی چاہیے۔ سورۂ نساء میں چار مقامات پر اس کا تاکیدی حکم آیا ہے۔ (آیت:11،12)

بندوں کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے رسولؐ کسی صحابی کی نمازِ جنازہ اس وقت تک نہیں پڑھاتے جب تک کہ یہ معلوم نہ کرلیتے کہ اس پر کسی شخص کا کوئی حق باقی تو نہیں۔ اگر کسی پر قرض باقی ہوتا تو آپؐ اس وقت تک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے ، جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کیا جاتا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ ہی سے مروی ہے کہ آپؐ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا۔ آپؐ نے لوگوں سے پوچھا: کیا اس پر کسی کا قرض ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپؐ نے دریافت کیا: کیا اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! ترکہ میں اس نے تین دینار چھوڑے ہیں۔ آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا۔ آپؐ نے اس کے بارے میں بھی دریافت کیا کہ کیا اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! اس پر کچھ قرض باقی ہے۔ آپؐ نے دریافت کیا: کیا اس نے اس کی ادائی کے لیے کچھ ترکہ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔ حضرت قتادہؓ معاملے کو سمجھ گئے۔ فوراً کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اس کا قرض میں اپنے ذمے لیتا ہوں۔ تب آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (صحیح ابن حبان:3264)

(4) ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کے انتقال پر ایسی کوئی حرکت نہ کی جائے جس سے انھیں تکلیف

پہنچتی ہو۔کسی کے انتقال پر نوحہ کرنا، ماتم منانا، گریبان چاک کر لینا، چہرہ نوچنا، دھاڑیں مار کر رونا، چیخنا چلانا، میت کے پاس بیٹھ کر بلند آواز سے ان کی خوبیاں بیان کر کے رونا، وغیرہ.. یہ سب ایسے اعمال ہیں جن کی وجہ سے میت کو تکلیف پہنچتی ہے۔رسول ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ ۔(بخاری:باب البكاء عند المريض: **1304**)''میت کو اس کے رشتے داروں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے''۔

اس لیے میت کے گھر والوں کو چاہیے کہ ایسی حرکتوں سے باز رہیں اور شرعی حدود میں رہ کر اپنے غم کا اظہار کریں۔ایسے موقع پر غم گین ہونا اور آنسو بہانا فطری بات ہے۔حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:اللہ کے رسولؐ حضرت سعد بن عبادہؓ کے انتقال کے وقت ان کے یہاں تشریف لے گئے۔آپؐ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، اور عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔جب ان پر نظر پڑی تو آپؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔وہاں موجود سارے صحابہؓ بھی رونے لگے۔آپؐ نے فرمایا: ''جانتے ہو کہ آنسو بہانے کی وجہ سے یا دل غمگین ہونے کی وجہ سے میت کو عذاب نہیں دیا جاتا۔زبان کی طرف اشارہ کر کے آپؐ نے فرمایا:اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے''۔(بخاری:باب البكاء عند المريض:**1304**)

(5)۔فوت شدہ لوگوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی کمیوں اور کم زوریوں کو نظر انداز کیا جائے اور ان کی خوبیوں پر نظر رکھی جائے اور انھیں بیان کیا جائے۔انسان بھول چوک کا پتلا ہے۔ہر ایک میں کچھ نہ کچھ خامیاں ضرور ہوتی ہیں۔ایسے میں ایک مسلمان کا فرض ہے کہ دینی پہلو سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہیں اور انھیں دوسروں کے سامنے بیان کرتے پھریں، بلکہ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ مومن کے عیوب کی پردہ پوشی کریں۔اور اگر ایسے شخص کا انتقال ہو جائے تو ہم پر اس کا حق ہے کہ اس کی برائیوں کو موضوع بحث نہ بنائیں۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ

أَفْضَوْا اِلٰی مَا قَدَّمُوْا ۔(بخاری:باب سکرات الموت :6516)''مُر دوں کو برا بھلامت کہو،انھوں نے جو کچھ کیا اس کا بدلہ پانے کے لیے اللہ کے دربار میں پہنچ چکے ہیں''۔

اس کے برعکس ان کا ذکرِ خیر کرنے اور ان کی خوبیاں بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ کی مجلس میں ایک میت کا ذکر برے الفاظ میں کیا گیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: لَاتَذْکُرُوْا هَلْکَاکُمْ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ (نسائی:باب النهی عن ذکر الهلکیٰ الابخیر :1947)''اپنی میتوں کا ذکرِ خیر ہی کیا کرو''۔

حضرت شداد بن اوسؓ سے مروی ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی میت کے پاس پہنچو تو فوراً اس کی آنکھیں بند کر دو،کیوں کہ نگاہیں روح کا پیچھا کرتی ہیں۔اور میت کا ذکرِ خیر کرو، کیوں کہ گھر والے میت کے حق میں جو بھی کہتے ہیں فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں''۔(ابن ماجہ:کتاب الجنائز:باب ماجاء فی تغمیض المیت:1522)

میت کے یہ چند اسلامی حقوق تھے،جنھیں عملی زندگی میں یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔موجودہ دور میں ان حقوق کی ادائی کے سلسلے میں بڑی غفلت پائی جاتی ہے۔ان حقوق کی ادائی کی بجائے لوگوں نے فوت شدہ لوگوں کے تعلق سے طرح طرح کی بدعات وخرافات گھڑ لیے ہیں اور اُنہی کو دین سمجھ کر عمل کرتے ہیں اور ان کے اہتمام میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔یہ سب دینی تعلیم کی کمی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کی سچی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کی جائے،تاکہ حق کی روشنی ہر طرف پھیلے۔باطل کا اندھیرا دور کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ شمعِ حق ہر جگہ روشن کرنے کی کوشش کی جائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقوق کی ادائی کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦